تاریخ کا ایک ورق



اروڑے

کھتری

اور

قانونگو شیخ

شیخ سراج الدین احمد

بزرگ علوی

تاریخ کا ایک ورق

اروڑے ۔ کھتری اور قانونگوی شیخ

سراج الدین احمد

ون ۔ کیتو ۔ گلبرگ ۔ لاہور

بار اوّل .... تعداد ۱۰۰۰

ضخامت .... ۲۳۲ صفحات

قیمت

مجلد .... -/۶ روپے

غیر مجلد -/۴

ستمبر ۶۹

کتابت

ابوخالد نذیر احمد ناظر خوشنویس
اعوان سٹریٹ یقبول روڈ
اچھرہ - لاہور

طباعت

اردو ڈائجسٹ پرنٹرز، سرکلر روڈ، لاہور

س ال ت

مُندرجاتؔ

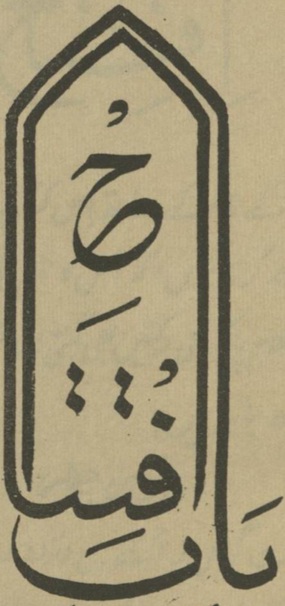
آروڑا قوم کی تاریخ

عبارت ہے، دو مُبارک دِنوں سے

ایک ان کے مُشرّف بہ اِسلام ہونے کا دِن،

اور

دُوسرا طلوعِ پاکستان کا،


باب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اِفْتِتَاح

اَللّٰہ کے نام کے ساتھ اِس کتابچہ کا اِفتتاح اَللّٰہ کے پاک کلام سے کرتا ہوں، کہ اُس کا نام پاک بھی برکتوں والا ہے اور اُس کے کلامِ پاک کی برکتیں بھی گنتی اور شمار کے پیمانوں اور اندازوں سے باہر ہیں:

اور پھر

جس ذاتِ گرامی پہ اُتنے ہی درود و سلام شایاں ہیں، جتنی کہ خالقِ کائنات کی برکات ہیں اُس باعثِ کائنات محبوب خدا حضرت مُحَمَّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیثِ دِل نواز تبرکاً شامل کرتا ہُوں، کہ اَللہ کے کلام ہی کا ایک عکس ہے:

★

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ
لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○

(قرآن شریف) ——— ۲۸/۸۳

وُہ دارِ آخرت ہم اُس کو دیں گے، جن کی نیت
زمین پہ اپنی فوقیت و برتری کی اور فساد کی نہیں ہے،
اور آخرت کی بھلائی تو خدا سے ڈرنے والوں ہی کے
لئے ہے: (ترجمہ)

★

"عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر،
کالے کو سُرخ پر، اور سُرخ کو کالے پر
کوئی فضیلت و ترجیح نہیں ہے۔
اگر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و ترجیح ہے،
تو دینداری اور نیک کردار کی وجہ سے۔
اور سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں، اور
آدمؑ مٹّی سے پیدا ہُوا ہے"۔

(حدیث شریف)

انتساب

میری خوشی اِس میں ہے، کہ اپنے
اِس تجسّس کو
قوم کے اُن نونہالوں کے نام منسوب کروں
جو، علم کے پیاسے ہیں،
اِس اُمیّد کے ساتھ
کہ اُن کے زرخیز دماغ اِس بیج کو قبول کر کے
اِک شجرِ ثمرور پیدا کریں گے
اور
اِس آرزو کے ساتھ
کہ جہاں اُنھیں کئی بادشاہوں کے خاندانوں کی تواریخ
نوکِ زبان ہیں،
وہاں اپنے خاندانوں کی تاریخ میں بھی
دِل چسپی لیں۔

سراج الاسلام

اُردُو کی جن کتابوں سے اِستفادہ کیا گیا

شمار	نام کتاب	مؤلف یا مصنّف کا نامِ نامی
۱	تارِیخ پاک و ہند	سیّد عبدُالقادر ایم۔ اے
۲	محمد بن قاسم کی مہارتِ فنِ حرب	میجر جنرل محمد اکبر خاں کرنل کمانڈنٹ رائل پاکستان آرمی سروس کور
۳	فتوح البلدان البلاذری کا ترجمہ	سیّد ابُوالخیر مودُودی
۴	تارِیخ اقوامِ عالم	مولانا مرتضیٰ احمد خاں
۵	تارِیخ کھتریاں آروڑبنس	حکیم راج رُوپ پوپلی ساکن قصور مصنّف قرابادین پوپلی۔ کلیدِ حکمت ۲ جلدیں خزینۃُ الاطبّاء ۵ جلد۔ تحفۃُ المساکین خلاصۃُ الرّمل۔ تحفۃُ النجوم۔ شریک رمُوزِ قیافہ۔ میگھ مالا۔ زُبدۃُ عرفان گیان ساگر۔ کامناں ویدانت مت راج نیت۔ جوگ چرتر وغیرہ وغیرہ
۶	تذکرہ صُوفیائے پنجاب	اعجاز الحق قدّوسی
۷	اَولیائے مُلتان	سیّد محمد اولاد علی گیلانی

شمار	نام کتاب	مؤلف یا مصنف کا نامِ نامی
۸	سوانح حیات حضرت شمس تبریزؒ	پیر غلام دستگیر نامی
۹	جامع اللغات (اُردو)	ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور
۱۰	فیروز اللغات (اُردو)	فیروز سنز لمیٹڈ۔ لاہور
۱۱	ماہنامہ "سوداگر" کراچی اشاعت خاص سنہ ۱۹۶۷ء	جمعیت پنجابی سوداگران دہلی۔ کراچی
۱۲	شیخ برادری چنیوٹ مقیم کراچی کے نام مع پتہ کی فہرست سنہ ۶۵-۱۹۶۴ء	ینگ فرینڈز یونین بھاگناری سٹریٹ کراچی
۱۳	مردم شماری خواجگان نارووالی دسمبر سنہ ۱۹۶۳ء حصہ اوّل۔ حدود لاہور	ظہیر علی جاوا۔ چوک نواب صاحب لاہور ملنے کا پتہ: شفیع جنرل اسٹور قلعہ گوجر سنگھ لاہور
۱۴	تحقیقاتِ چشتی	مولوی نور احمد چشتی
۱۵	مقالاتِ دینی و علمی حصہ اوّل	ڈاکٹر محمد شفیع ایم۔اے (کینٹب) ڈی۔او۔ایل (پنجاب) ستارۂ پاکستان
۱۶	قائدِ اعظمؒ کا پیغام	مرتبہ سید قاسم محمود

انگریزی کی جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا

Serial no.	Name of Book	Name of the Author or Editor.
1	Punjab Castes	Sir Denzil Ibbetson K.C.S.I.
2	"Religions of the people." as in the report on the Cencas of the Punjab. published in 1883.	" Ditto "
3	Preaching of Islam Chaptor:- Spread of Islam in India.	Thomas Walker Arnold
4	Lahore its History Architectural Remains and Antiquities	Syed Mohammad Latif

سرنامہ

دَورِ حاضر میں جب کہ ہر طرف عالمگیر اخوّت کی باتیں ہو رہی ہیں، یہ ذات برادری کا قصّہ لے کر بیٹھ جانا کس حد تک رَوا ہے؟ یہ ایک وسوسہ تھا جو برسوں میرے ذِہن پر مُسلّط رہا۔ اَور یقیناً یہ ایک خلِش ہے، جو ہر لکھے پڑھے کے دِل میں قدرتی طَور پہ پَیدا ہو گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے مضمُون پر قلم اٹھانے سے قبل وُہ وجوہ بیان کردُوں جن کی بدولت میرا ذِہنی دغدغہ رفع ہوا۔ اَور مَیں پُورے اطمینانِ قلب سے اپنے ایک دیرینہ عزم کی تکمیل پہ آمادہ ہوگیا ہُوں۔ اَور اگر مَیں یہ توقع کروں کہ ان وجُوہ کے معلوم ہو جانے پر میرے قارئین کے دِل کی خلش بھی انشاءاللہ پا در ہوا ہو جائے گی، تو یہ میری خام خیالی نہ ہو گی۔

شعُوب و قبائل اَللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں، اور بنانے کی مصلحت بھی خود ہی ارشاد فرما دی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط "اور ہم نے تم کو شعُوب اور قبیلے (ذات اور برادریاں) بنایا، تاکہ آپس میں پہچان رکھو"۔ تو گویا ذات برادری کا وجُود، اَور اُس کی جان پہچان منشائے باری تعالیٰ کے عین مطابق ہے۔ اور کہ ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔

نیز

میرے پیشِ نظر یہ نہیں ہے، کہ اپنی ذات اور برادری کو دیگر شعُوب و قبائل پر افضلیت یا فوقیت دی جائے۔ بلکہ میری انتہائی خواہش یہ ہو گی، کہ اِسلام کے دیئے ہوئے مساوات کے عظیم سبق پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۹۹ "مسلمان بھائی بھائی ہیں" کے فرمانِ خداوندی

کو دل میں جگہ دے کر منو شاستر کی پھیلائی ہوئی اعلیٰ اَدنیٰ اور اُونچ نیچ کی تمیز و تفریق کی بیماریوں سے اَذہان کو شفا بخشی جائے۔ گورے کالے کا ہنگامہ بپا کرنے والوں کو بتایا جائے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو پرہیزگار ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

میرے اقدام کے جواز میں یہ دلیل بھی کافی وزنی سمجھی جائے گی، کہ عالمگیر اخوت کے اعلیٰ و اَرفع مقصد کے حصول کے لئے شعوب و قبائل کا عنصر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا عالمی بھائی چارے کی بامِ بلند پر بہ یک جست پہنچ جانا حیطۂ اِمکان سے باہر ہے: اور کہ اِس معراج کا پہلا زینہ اگر اَفراد ہیں، تو دُوسرا خاندان، تیسرا شعوب و قبائل، چوتھا قوم اور پانچواں اَقوامِ عالم کا ہو گا۔ یا بہ الفاظِ دیگر عالمگیر اخوت وہ محل ہے، جس کی تعمیر میں اَفراد سنگ و خشت کا حکم رکھتے ہیں، تو شعوب و قبائل دَر و دِیوار کا۔ اور یہ کہنا دِلچسپی سے خالی نہ ہو گا، کہ اِس عمارت کی پیوستگی اور اُستواری کے لئے اخلاقی اصُول اور مذہبی اَحکام کی پابندی لوہے اور سیمنٹ کا کام دیتی ہے۔

اِس کام میں ہاتھ ڈال کر سب سے بڑی مشکل جو مجھے پیش آئی ہے۔ یہاں اس کا ذکر کرنا بھی اَز بس ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ "مجھے تاریخی مواد نہیں مِل رہا"۔ دراصل ہمارے مُلک میں اَقوام کی توارِیخ لکھنے کا دستُور ہی نہیں رہا۔ یہاں تارِیخ صِرف حکمرانوں کی ہوتی ہے، قوموں کی نہیں ہوتی۔ اور پھر جس زمانہ پر وہ تارِیخ بکھری ہوئی ہے جس کا بیان کرنا مجھے مقصُود ہے، وُہ تارِیخ کا نہیں تاریکی کا زمانہ تھا۔ اُس عہد کی تاریخ مُورخوں کو کتابوں سے نہیں کھنڈرات سے مِلتی ہے۔ فرسُودہ دِیواروں کے بُجھے ہُوئے نقش و نگار

میں سے ڈھونڈی جاتی ہے۔ کتبوں اور لاٹھوں پر کندہ عبارات سے لی جاتی ہے۔ قدیم اور پُرانے سِکّے دستیاب ہو جائیں، تو ان سے اندازے لگائے جاتے ہیں صحیح معنوں میں ہندو عہد کی تاریخ وُہ علم ہے، جو سَرتاپا ظنّ و تخمین پر اساس رکھتا ہے۔ یا کچھ ٹوٹی پھوٹی روایات ہیں، جو سینہ بہ سینہ چلی آئی ہیں، اور سپردِ قلم ہونے سے پہلے اپنی ہیئت اِس حد تک بگاڑ چکی ہیں، کہ انھیں اُصل سے دُور کا واسطہ بھی نہیں رہا۔ اور یوں بھی ہُوا ہے، کہ کسی ادیب کی افسانہ طرازی، ناول یا ناٹک کی شکل میں ڈھل کر کچھ عرصہ تک لوگوں کو محظوظ کرتی رہی اور پھر اُس کے کرداروں کو تاریخی شخصیتیں سمجھ لیا گیا۔ کالیداس نے رامائن لکھی۔ کالیداس تو شاعر کا شاعر ہی رہا مگر رامائن کے کِردار قومی ہیرو بن گئےؔ۔ اور ان کی پُوجا ہونے لگی۔

تھوڑی بہت تاریخ جو ملتی ہے۔ اُس پر اِس لئے بھی بآسانی اِعتبار نہیں کیا جا سکتا، کہ انگریز اُور ہندو حضرات نے اپنے مفاد اُور جھُوٹے وقار کے پیشِ نظر تاریخی حقائق کو مسل دینا، یا ان میں طبع زاد ترمیم و تضمین کی آمیزش کر دینا، ہمیشہ مباح جانا ہے۔

ؔ تاریخ کھتریان آروڑ بنس کے صد" پر حکیم راج رُوپ صاحب یُوں رقمطراز ہیں:-

"ہمارے ملک میں تو تاریخ نویسی کا پہلے کوئی رواج نہ تھا۔ صِرف بعض واقعات کو بطور داستان۔ کہانی۔ قِصّہ۔ کتھا لکھنے کا لوگوں کو شوق تھا۔ جیسا کہ رامائن۔ مہابھارت وغیرہ کتابیں موجود ہیں۔ مگر ان کو لوگوں نے ایک مذہبی کتھا مانا ہُوا ہے۔"

مقامِ شکر ہے، کہ اِن دشواریوں کے باوجود راقم کو اپنی قوم کی پوری تاریخ نہیں، تو کم ازکم تاریخ کا ایک خاکہ پیش کر دینے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

مَیں نے ایک درجن سے زیادہ جن کتابوں کی ورق گردانی کی ہے، تاکہ کچھ ہاتھ آجائے۔ ان میں سے پنجاب کاسٹس مُرتّبہ سر ڈین زِل اِبٹ سن۔ تاریخ کھتریان آر وڑ بنس مصنّفہ حکیم راج رُوپ۔ تاریخ پاک و ہند مُرتّبہ سیّد عبدُالقادر ایم اے اور پریچنگ آف اسلام مصنّفہ آرنلڈ صاحب چار ایسی کتابیں ہیں جن سے مجھے بہت مدد ملی ہے۔ حکیم راج رُوپ کے تو کئی صفحے ایسے ہیں، جو مَیں اِس کتابچہ میں نقل کرنے پر مجبُور ہو گیا ہُوں۔ کیونکہ اَمرِ واقعہ یہ ہے، کہ اُن کے وجُود نے مجھ پر مضمُون آفرینی کے کئی پٹ کھول دئے ہیں۔ اِن چاروں حضرات کا بالخصوص اور باقی حضرات کا (جن کی تصانیف کا ذِکر مَیں نے آغازِ کتاب میں اِس اعتراف کے ساتھ کیا ہے، کہ مَیں نے ان سے اِستفادہ کیا ہے) بالعمُوم شکر گزار ہُوں، اور ان سب کی محنت اور کاوش کا بے حد مدّاح ہُوں۔

مجھے اِعتراف ہے، کہ میں نے بھی بعض مقامات پر قیاسات سے کام لیا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ علم میری تائید و تردید میں زیادہ صحیح معلُومات بہم پہنچا سکیں تو مجھے خوشی ہو گی۔

سِراج الدّین احمد
وَن۔ کیو۔ گلبرگ، لاہور
جُون ۱۹۶۹ء

باب تعارف

شیخ ایک لقب ہے ــــــ ذات نہیں

عربی زبان کا یہ لفظ جس کی جمع شیوخ یا مشائخ ہے۔ متعدد معانی کا حامل ہے۔ مثلاً بوڑھا۔ سردار۔ سرکردہ۔ حاکم۔ رئیس۔ پیشوا۔ ہادی۔ متقی حکمران۔ پیرومرشد۔ قبیلہ کا سردار۔ رہبر۔ خاندان کا بزرگ۔ عالم دین۔ کسی ادارہ کا افسرِ اعلیٰ یا سربراہ جیسے شیخ الجامعہ۔ شیخ الاسلام۔ شیخ الحرم۔ شیخ الطریقت شیخ التفسیر۔ شیخ الحدیث۔ شیخ الہند وغیرہم۔ اور جس طرح ہمارے ہاں کسی بھی شریف آدمی کو، خواہ اُس کے ساتھ جان پہچان بھی نہ ہو۔ اخلاقاً اور تعظیماً چودھری صاحب میاں صاحب، بڑے میاں وغیرہ کے القابات سے مخاطب کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اہلِ عرب ہر بھلے آدمی کو خواہ وُہ اجنبی ہی کیوں نہ ہو مشیخ یا سیّد کے اعزازی لقب سے پکارتے ہیں۔

آپ کو اگر کسی عرب سے ملنے کا اتفاق ہو جائے، تو آپ بڑے شوق سے اُسے "یا شیخ" کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں۔ وُہ آپ کا احترام کرے گا، اور بڑے تپاک سے پیش آئے گا۔ برِّ عظیم پاک و ہند میں عزت کے اس خطاب سے بالخصوص اُن لوگوں کو بڑی فراخ دلی سے نوازا گیا جو ہندوؤں کی مختلف اقوام سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ اِن نومسلم حضرات نے اس خطاب کو بطیبِ خاطر قبول کر کے اِس حد تک اپنایا کہ اپنی ذات گوت ہی مشیخ مقرر کر لی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یہ اصحاب

اپنا اصل حسب نسب تک بھُولنے کے قریب ہیں۔ حالانکہ ان کے اِردگرد ایسی نظیروں کی کمی نہیں جن سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ لقب اور ذات جُدا جُدا دو چیزیں ہیں۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل جدول میں ذاتیں اور ان کے القاب دیکھے جائیں۔

ذات	القاب
راجپوت	چوہدری۔ رانا۔ یا خان
پٹھان	خان۔ آغا۔ یا آقا
حسنی یا حُسینی	سیّد۔ شیخ۔ میر۔ خواجہ۔ شاہ یا میاں
جاٹ	چوہدری۔ سردار یا ملک
ککے زئی	ملک۔ شیخ یا خان
ارائیں	مہر۔ ملک۔ میاں یا چوہدری
ہندو آروڑے یا کھتری	لالہ۔ دیوان یا رائے
مسلمان آروڑے یا کھتری	شیخ۔ خواجہ یا میاں

اِن مثالوں سے بخُوبی وضاحت ہو جاتی ہے، کہ ذات حسب نسب کو ظاہر کرتی ہے، اور لقب صرف ایک اعزازی کلمہ ہے، جس سے کسی مخصوص قوم کے افراد کو احتراماً پکارا جاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا، کہ لفظ شیخ کا اِستعمال جہاں بھی ہُوا ہے باعتبارِ ذات نہیں ہُوا، بلکہ بطورِ لقب، یا خطاب کے ہوا ہے۔ اسی طرح چوہدری۔ رانا۔ ملک۔ سردار۔ آغا۔ آقا۔ خان۔ سیّد۔ میر۔ خواجہ۔ شاہ۔ میاں۔ لالہ۔ دیوان۔ رائے سب اعزازی کلمات، یا القاب ہیں ذاتیں نہیں۔ البتہ ان سے ایک حد تک ذاتوں کی نشان دہی ہو سکتی ہے۔

شیخ کہلانے والی چند ایک مشہور قومیں

۱۔ سادات کرام:۔ سید کی جمع۔ عرب نژاد ہیں۔ جن کا ورودِ مسعود اس برِّ عظیم میں وقتاً فوقتاً بہ سلسلہ تبلیغِ دین و اشاعتِ روحانیت ہوا۔ اور جو یہاں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ اِن حضرات کو سیّد یا شیخ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آج کل شیخ کی جگہ شاہ نے لے لی ہے۔ شاہ فارسی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ اہلِ اسلام ان حضرات کی تعظیم و تکریم کرنا اپنا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں، کہ حضورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ آنحضورؐ کی اولاد سے مراد آپؐ کی صاحبزادی خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہے۔ جو باعتبارِ شجرۂ نسب حسنی یا حسینی ہوتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ اولاد جو خاتونِ جنت کے بطنِ مبارک سے نہیں، اور حیدری یا علوی کہلاتی ہے، سیّدوں میں شمار نہیں ہوتی۔ اور اِسی طرح آنحضرتؐ کے خاندان ہاشمی کے افراد بھی سید نہیں سمجھے جاتے۔ البتہ ان تمام حضرات میں جو صاحب ارشاد ہیں اپنے حلقۂ مریداں میں شیخ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے، کہ عرب محاورہ میں شیخ کی مانند سیّد کا لفظ بھی کسی خاص ذات، یا قوم کے لیے مخصوص و مختص نہیں ہے۔ بلکہ ہر ذی وقار آدمی کو بلاتمیزِ مذہب و ملت، سیّد اور ہر معزز خاتون کو سیّدہ کے اعزازی لقب سے یاد کرتے ہیں۔

جیسے ہمارے ہاں 'صاحب' و 'صاحبہ' کے لقب سے' اور انگریزوں میں 'مسٹر' اور 'مسز' یا 'مس' کے الفاظ سے - اور بھارت میں شری' شریمان اور شریمتی کے خطاب سے ہر ملکی اور غیر ملکی مقتدر شخصیت کو مخاطب کرتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ برِّ عظیم پاک و ہند میں بسنے والے مسلمان آلِ رسول ؐ کے سوا کسی کو سید کہنا روا نہیں رکھتے۔

۲- **شیخ قریشی** :- عرب نژاد ہیں' اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلۂ عالی قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے تو یہ سب حضرات شیخ کہلاتے تھے لیکن اب رفتہ رفتہ ان کے ہاں شیخ کا لقب متروک ہوتا جا رہا ہے' اور صرف قریشی کہلانا پسند کیا جاتا ہے۔ یعنی ذات بھی 'قریشی' اور لقب بھی قریشی۔

۳- **شیخ صدیقی** :- عرب نژاد ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ اپنے قدیمی لقب شیخ کو چھوڑ کر صرف صدیقی پر اکتفا کرنے لگے ہیں۔

۴- **شیخ فاروقی** :- عرب نژاد ہیں' اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ یہ اصحاب بھی شیخ کے لقب کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ اور اب صرف فاروقی کہلا کر خوش ہیں۔

۵- **شیخ انصاری** :- مدینہ منورہ کی ان پاک ہستیوں کی اولاد ہیں' جنہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو' اور آپ ؐ کے رفقاء کو جو مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف میں تشریف لائے تھے۔ اپنے بھائی بنایا تھا۔ اور بھائیوں کی مانند اپنی جائدادیں بانٹ کر دے دی تھیں۔

۶- **شیخ کشمیری** :- خطۂ کشمیر کی ہندو اقوام سے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے

تجارت پیشہ اصحاب' اور برہمن' اور دستکار حضرات' جن کی ذاتیں عام طور پر۔ کول۔ بیپرد کچلو۔ ڈار۔ میر۔ بٹ۔ بابے اور وایٔیں وغیرہ ہیں۔ لقب شیخ یا خواجہ اور قوم کشمیری بتانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ رشتہ ناطہ کے باب میں' منو کی ذات پات کی تقسیم اور درجہ بندی کے عملی طور پر مخالف ہیں اور اسلام کی پیش کی ہوئی مساوات کے صحیح معنوں میں حامی ہیں۔

۷۔ **شیخ بھرائی** :۔ برِّ عظیم کی ایک نو مسلم قوم' جو حضرت سخی سرور کے مرید' اور مبلغین ہیں۔ گانا بجانا' اور ڈھول پٹینا ان کا ذریعۂ معاش ہے۔

۸۔ **شیخ ککے زئی** :۔ برِّ عظیم کی ایک مشہور قوم۔ جس کے افراد شیخ کے علاوہ ملک اور خان بھی کہلاتے ہیں۔ عام طور پر ملازمت پیشہ ہیں۔ اور بڑے بڑے عہدوں پر متمکن ہیں۔ تاہم تجارت اور زمینداری میں بھی شغف رکھتے ہیں۔

۹۔ **شیخ قانونگو** :۔ برِّ عظیم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نو مسلم کھتری ہیں' جو مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد شیخ قانونگو کہلائے۔ یہ بالعموم سرکاری ملازمتیں کرتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بھی' اور سکھ دورِ حکومت میں بھی لگان' مالیہ اور عدالتی محکموں میں عہدہ دار ہوتے تھے۔ اور آج کل بھی بڑے بڑے مناصب پر مامور ہیں۔

۱۰۔ **شیخ نو مسلم** :۔ برِّ عظیم کے یہ وہ لوگ تھے جو منو شاستر کی رُو سے راندۂ درگاہ اور گشتۂ برہمناں تھے۔ ہندو سماج نے انھیں جملہ انسانی حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔ ان کا شمار شودروں میں تھا۔ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے' تو ان کے دن پھرے' اور نصیبہ جاگ اُٹھا۔ صدہا سال قعرِ مذلّت میں رہنے کے بعد اُس صف میں آملے جہاں محمود و ایاز کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ اور شیخ مسلم کہلائے۔

۱۱- شیخ کھتری :- جو برِّ عظیم کے ہنود کی ایک تجارت پیشہ قوم کھتری سے مشرف بہ اسلام ہوئے - یہ اصحاب اپنی ابتدائی ذات گوت کو بھی نمایاں رکھتے ہیں - مثلاً پوری - پال - اُپل - کپور - مہتہ - چوپڑہ - نندہ - سہگل وغیرہ وغیرہ - اور میاں اور خواجہ کے لقب سے بھی ملقب ہوتے ہیں -

۱۲- شیخ آروڑا

جو ہندوؤں کی ایک قدیم قوم آروڑا سے آغوشِ اسلام میں آئے - اعزازی طور پر شیخ کے علاوہ خواجہ اور میاں کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں

اور

جن کو اس کتابچہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے ؛

آروڑا شیخ قوم

کے

مختصر کوائف

آروڑا شیخ قوم کے مختصر کوائف

خصوصیات

آرین نسل کی اِس قوم کے افراد کثرت سے مغربی پاکستان میں آباد ہیں۔ تجارت اِن کا اصلی ذریعۂ معاش ہے۔ یہ لوگ اپنی کئی ایک خصوصیات کے اِعتبار سے منفرد واقع ہُوئے ہیں۔ ———————— مثلاً

چھوٹی سے چھوٹی تجارت، اور محنت مزدُوری کرنے میں انہیں عار نہیں۔ اَلبتہ کِسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنا گوارا نہیں کرتے۔ کاروباری سُوجھ بُوجھ، مُعاملہ فہمی، حساب دانی، اور ذہانت کے اِعتبار سے مُسلمانوں میں ہِندو تاجروں کا مدِمقابل انہی کو گردانا جاتا ہے۔

اپنے کاروبار میں منہمک پُر امن شہری ہیں۔ لڑائی جھگڑوں، اور ہنگاموں سے بچتے ہیں۔ مُقدمہ بازی سے کوسوں دُور رہتے ہیں۔ عدالتوں، تھانوں اور جیلوں سے اِن کو کوئی سروکار نہیں۔ حتّٰی کہ سیاسیات میں بھی ان کی دِلچسپی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اپنے متنازعہ فیہ امُور کو برادری کے مُعززین کے سامنے رکھ کر طے کر لیتے ہیں۔ اِن کے مُختلف قبیلوں کے سرداروں کو مُکھی کہا جاتا ہے۔ لفظ مُکھی اَزمنۂ قدیم کے مُکھی، یا مُکھیا کی یادگار ہے۔ یہ عُہدہ عام طور پر وِرثہ میں چلتا رہا ہے۔ آزادی اور روشنی کے حالیہ دَور میں مُکھی صاحبان کے اِقتدار اَور اختیارات میں کچھ کمی آگئی ہے ورنہ ہزاروں سال سے قوم کے سیاہ وسفید کے مالک یہی مُکھی تھے۔

ظاہر اور باطن سے شعائرِ اسلام کے گرویدہ ہیں؛ اور بڑی حد تک عامل بھی ہیں۔ اور لُطف یہ کہ ہندوؤں میں مندروں کی رونق آروڑوں سے ہے۔ اور سکھوں کے گوردوارے اِن کے دم سے آباد ہیں۔ گویا فطرتی طور پر یہ لوگ راسخ العقیدہ مذہب پسند واقعہ ہوئے ہیں۔

اِن کی اپنی کاروباری بولی (CODE WORDS) ہے۔
اِن کا اپنا رسم الخط ہے۔ جسے اِعراب' اور حرُوفِ علت سے مُعرّا ہونے کے باعث لنڈے کہا جاتا ہے۔ یہ رسم الخط ایک قسم کا شارٹ ہینڈ ہے۔ جو سیکھنے میں اتنا آسان ہے، کہ ایک اَن پڑھ آدمی چند دِنوں میں، اور لکھا پڑھا آدمی چند گھنٹوں میں سیکھ سکتا ہے۔ اِس خط میں لکھی ہوئی رقوم کی میزان کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے اِس کا رواج بتدریج کم ہو رہا ہے۔ اور اُردو اور انگریزی اِس کی جگہ لے رہے ہیں۔

بیاہ شادی، اور رِشتہ ناطہ کے معاملہ میں قدیمی رسم و رواج کے قائل ہیں اپنی برادری کے دائرہ سے باہر نہ نکلنے پر شدّت سے کاربند ہیں۔ بلکہ برادری کے اندر بھی عزیز و اقربا۔ کے چھوٹے چھوٹے حلقے ہیں، جن سے باہر بڑی مشکل ہی سے تجاوز کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اِن کا خوُن اور نسب صدیوں سے بیرُونی ملاوٹ سے پاک اور خالص چلا آتا ہے۔

اِن کو اپنے حسب نسب سے اِتنا پیار ہے، کہ ادلتے بدلتے وقت اور حالات اور مفاد کے پیشِ نظر ذات تبدیل کرنے کے درپے کبھی نہیں ہوئے۔ البتہ لقب کے بارے میں ایک آدھ مرتبہ تحریک ہوئی ہے کہ مشیخ ہو یا خواجہ۔ اور کافی

بحث و تمحیص کے بعد اب کچھ لوگ خواجہ کہلوانے لگے ہیں۔ تاہم اکثریت شیخ کہلوانے والوں کی ہے۔ بعض بڑے آدمیوں کو میاں صاحب کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

جہاں یہ خوبی ہے، کہ ذات تبدیل کرنے کا رُجحان ان میں نہیں پایا جاتا۔ وہاں یہ عیب بھی موجود ہے، کہ تعلیم، عہدہ یا سرمایہ میں ترقی کر جانے والے اصحاب اپنے پسماندہ رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھنا اپنی شان کے شایاں نہیں سمجھتے، اور ان سے اَلگ تھلگ ہو کر، اپنے ہم پلّہ لوگوں سے مراسم اُستوار کرتے ہیں۔ اِدھر یہ کمزور حضرات بھی ان بر خود غلط اصحاب کو خاطر میں نہ لاتے ہُوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان سے قطع تعلّق کر کے خوش ہو جاتے ہیں۔ بعض اُوقات رشتہ داروں کے درمیان کوئی نزاع یا باہمی اختلاف اِتنا طُول پکڑ جاتا ہے، کہ فریقین ایک دُوسرے کو دیکھنے کے روادار نہیں رہتے، اور دائمی طور پر ایک دُوسرے سے کٹ جاتے ہیں، اور علیحدہ علیحدہ برادریاں معرضِ وجُود میں آجاتی ہیں۔

خرچ کرنے میں فضُول خرچی کی حد تک شاہ خرچ ہیں۔ شادی غمی کی تقاریب پر جتنی بھیڑ بھاڑ ان کے ہاں ہوتی ہے شاید ہی کہیں دُوسری جگہ دیکھنے میں آتی ہو۔ باجے گاجے والوں، اور بھانڈوں کو بڑھ چڑھ کر انعام و اکرام دیتے ہیں۔ جہیز اور داد و دہش میں اپنی حیثیت کی بجائے سبقت لے جانے کا خیال زیادہ رکھتے ہیں۔ غرض منگنی اور شادی کی تقریبوں پر غیر ضروری ہجوم، اور صرفِ بے جا ان کا ایک خاص شوق ہے۔ غنیمت ہے، کہ ختنہ اور عقیقہ کی سُنّت ادا کرنے میں اِن دِنوں اِصلاح ہو چکی ہے، اور بھیڑ بھاڑ سے اِجتناب کیا جاتا ہے۔

قیمت میں رعایت مل جائے تو ضرورت سے کئی گنا زیادہ اشیاء خرید لینے میں

اپنی کامیابی تصوّر کرتے ہیں۔

گھریلو ضرورِیات کی اشیا، فراہم کرنے والے صناع، پیشہ ور اور دکاندار ان کے ساتھ وابستگی کو اپنے کاروبار کے لئے نیک فال سمجھتے ہیں۔

بے جا حوصلہ افزائی ہونے کے باعث ہر قسم کے گداگروں کے لشکر ہر وقت اور ہر جگہ ان پر منڈلاتے رہتے ہیں۔

بیاہ شادی کی تقریبات پر مہمانوں کو مدعو کرنے کے لئے آج کل مطبوعہ اور خوبصورت دعوت نامے جاری کئے جاتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود مزید تاکید اور توثیق کے لئے شہری حلقوں میں فرداً فرداً مہمانوں کے گھروں میں مستورات کا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اور دیہاتی حلقوں میں خود مردوں کو یہ فریضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ چند سال ادھر دعوت دینے کا طریقہ بالکل ہی انوکھا تھا۔ شادی والے گھر کے معزز افراد، مہمانوں کے گھروں میں جاکر دعوت دینے کے ساتھ ایک آنہ نقد پیش کرتے تھے، تاکہ مہمان اپنے کپڑے دھونے کے لیے صابون خرید سکے۔ بلکہ یوں بھی ہوتا تھا، کہ نقد ایک ایک آنہ کی جگہ ایک ایک ٹکیہ دیسی صابن کی دے دی جاتی تھی۔ اور مقررہ تاریخ سے کئی کئی دن قبل حاضری کی بار بار درخواست، اور بار بار تاکید کی جاتی تھی، ورنہ مہمان کے نزدیک دعوت قابلِ پذیرائی نہ ہوتی تھی۔

مہمان اور میزبان آپس میں جو لین دین تحفے تحائف، تنبول اور سلامی وغیرہ کا کرتے ہیں، اُس کا اندراج اپنے اپنے ہی کھاتوں میں کر لیتے ہیں، تاکہ بوقتِ ضرورت حساب فہمی ہو سکے۔ تاہم اِس امر میں اب پہلے کی سی سختی نہیں رہی۔ اور دے کر بھول جانے کی عادت اختیار کی جا رہی ہے۔ تنبول کا رواج قطعاً بند کر دیا گیا ہے۔

رِشتے ناطے کرنے کا کام بالعموم بیگمات سرانجام دیتی ہیں، اور ہر طرح کی رسمی تقریبات

کی تیاری اَور لائحہ عمل انہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ مردوں کے لیئے اپنے کاروباری دھندوں سے اَیسے کاموں کے لیئے فرصت نکالنا ممکن نہیں ہوتا۔ البتہ دیہاتی برادری میں یہ کام مرد ہی سرانجام دیتے ہیں۔

شیخ یا خواجہ؟

بیسویں صدی کے اوائل میں بہت سی قوموں نے محسوس کیا کہ شیخ کہلوانے سے اُن کی اِنفرادیت نمایاں نہیں ہوتی۔ لہٰذا اِمتیاز حاصل کرنے کے لئے لقب شیخ کو خیر باد کہنا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ قریشی ۔ صدیقی ۔ فارُوقی انصاری اور گیلانی وغیرہم حضرات نے شیخ کہلوانا ترک کر دیا آخر وڑائچ شیخ صاحبان بھی اِس خیال سے متاثر ہوئے ۔ اور امرتسر میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کر کے تجویز کیا، کہ آئندہ شیخ کی بجائے خواجہ کہلوایا جائے۔ کچھ عرصہ بعد اسی تجویز کی تائید میں اجنالہ ضلع امرتسر میں دیہاتی برادری کا اجتماع ہوا۔ مگر تجویز کو کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ وجہ اِس کی یہ تھی، کہ خواجہ کہلوانے سے اصل مقصد یعنی اِنفرادیت یا امتیاز میسّر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ خواجہ' اور شیخ کے القاب میں سوائے اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ شیخ عربی زبان کا لفظ ہے، اور خواجہ فارسی کا۔ معانی کے اِعتبار سے دونوں مُترادف ہیں، اور استعمال کے لحاظ سے دونوں یکساں۔

جس طرح شیخ کہلوانے والی بہت سی قومیں تھیں، اُسی طرح خواجہ کہلوانے والی قومیں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ لہٰذا لقب کی جگہ ویسا ہی لقب سب کے لئے تسلّی بخش اور قابلِ قبول نہ ہوا۔ تاہم متعدد حضرات نے خواجہ کا لقب اختیار کر لیا۔ جب کہ اکثریت بدستورِ سابق شیخ کہلاتی رہی۔

یہ اِختلاف چند سال تک برادری میں بدمزگی اور نزاع کا مُوجب بنا رہا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ جلد ہی حالات اِعتدال پر آ گئے۔ شیخ اور خواجوں کے باہمی تعلقات حسبِ دستور سابق استوار ہو گئے۔ اگرچہ وُہ اِنفرادیت جس کی تلاش میں یہ قدم اُٹھایا گیا تھا میسّر نہیں آسکی۔ کیونکہ وُہ تو اُسی صُورت میں ہو سکتا تھا، کہ اپنی ذات اور گوت کو یعنی شعُوب و قبائل کو نمایاں کیا جاتا۔

تیسرا لقب میاں

اِس لقب کا کمال یہ ہے، کہ بے پناہ وسیع دائرے میں استعمال ہونے کے باوجود اپنے اندر عجب جاذبیت رکھتا ہے۔ بزرگ چھوٹوں کو پیار کے ساتھ میاں کہتے ہیں۔ چھوٹے، بزرگوں کو احتراماً میاں کے خطاب سے پکارتے ہیں۔ بیوی شوہر کے لئے۔ خادم آقا کے لئے۔ آقا خادم کے لئے۔ شاگرد اُستاد کے لئے، اُستاد شاگرد کے لئے۔ بڑے ذوق وشوق سے یہ لقب استعمال کرتے ہیں۔

پیر طریقت، اور امام مسجد کو میاں کہا جاتا ہے۔ اہلِ ہنود بہ ہیئتِ مجموعی سب مسلمانوں کو تعظیماً اِسی لفظ سے یاد کرتے تھے۔ خود ہندوؤں میں بعض خاندانوں کے افراد آج تک میاں کہلوانے میں اپنی شان سمجھتے ہیں۔

اہلِ اسلام میں، راجپوت۔ ارائیں۔ کشمیری۔ آروڑے اور کھتری شیخوں کے اکثر اصحاب اِس القاب کو دِل سے پسند کرتے ہیں۔

حتیٰ کہ باری تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ بھی اِس لقب کا استعمال ایک گونہ لطف ومحبت کا حامل ہوتا ہے۔

خوجہ

ایک اور لقب

خواجہ سے بگڑا ہُوا یہ خطاب بڑی فراوانی سے اُن اَن گنت ہِندُو اَقوام کے لئے مخصُوص سا ہو گیا تھا جو وقتاً فوقتاً حلقہ بگوشِ اِسلام ہُوئیں۔ چنانچہ اِس قاعدہ کُلیّہ کے ماتحت مسلمان ہونے والے آروڑا اور کھتریوں کے حِصّہ میں بھی یہ نام آگیا۔ مگر چونکہ اِس نام سے ایک تو حقارت سی ٹپکتی ہے، اور دُوسرے بہت سی دِیگر قَوموں کا خطاب یہی ہونے کے باعث اِنفرادیت قائم نہیں رہتی تھی، اِس لئے ان حضرات نے اس نام کو قبُول کرنے میں ہمیشہ ہچکچاہٹ محسُوس کی۔ حالانکہ نام میں کیا رکھا ہے۔ عزّت اور توَقیر کا ذریعہ نام نہیں کام ہوتا ہے۔ کیا قومیں اور کیا اَفراد سب کِردار سے ممتاز ہیں، نام سے نہیں۔ اور یہاں کسی قدر فخر سے لکھا جا سکتا ہے، کہ اِس زمانہ کے مایۂ ناز، اور دُنیا کے بے نظیر دیدہ ور، بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم ایک خوجہ دُودمان کے چشم و چراغ تھے۔

تعلیم

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل متداولہ تعلیم کے بارے میں سشیخ قوم کو، ایک پسماندہ قوم قرار دیا جا سکتا تھا۔ نہ تو اِن کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مواقع میسر تھے، اور نہ یہ لوگ اعلیٰ تعلیم کے حق میں تھے۔ صِرف اِتنی حرف شناسی کے قائل تھے، جس سے بقدرِ ضرورت حساب کتاب رکھا جا سکے۔ یا پنجابی زبان میں منظوم قِصّے کہانیاں پڑھ کر دِل بہلایا جا سکے۔ بارے اب پاکستان نے اِن پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے دَروازے کھول دئے ہیں۔ اور قوم کے نونہال دھڑا دھڑ گریجوایٹ بن رہے ہیں۔ اور مقابلہ کے مُختلف اِمتحانوں میں اپنی قابلیّت کے جوہر نمایاں کر کے اعلیٰ عہدے حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

آبادی

قوم آساوڑا شیخ کے افراد لاکھوں کی تعداد میں مغربی پاکستان کے بڑے بڑے شہروں اور تجارتی منڈیوں میں آباد ہیں۔

چونکہ ان کی علیحدہ مردم شماری کی یادداشتیں سرکاری طور پہ دستیاب نہیں ہیں اس لئے صحیح اور مکمل اعداد و شمار نہیں مل سکتے۔ تاہم نجی طور پہ برادریوں کے بعض حلقوں میں محدود سا جو اہتمام مردم شماری کا ہوا ہے، اُس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ واقعی پاکستان میں یہ قوم لاکھوں کی تعداد میں آباد ہے۔ مثلاً چنیوٹ کی شیخ برادری نے سنہ ۱۹۶۴-۶۵ء میں ایک فہرست شائع کر کے انکشاف کیا ہے، کہ صرف کراچی میں ان کے تین سو پینتالیس [۳۴۵] کاروباری ادارے کام کر رہے ہیں۔ اب سنہ ۶۷ء میں معلوم ہوا ہے، کہ ان اداروں کی تعداد کم و بیش دگنی ہو چکی ہے۔

اسی طرح لاہور میں نارو والی خواجگان نے سنہ ۱۹۶۳ء میں اپنی مردم شماری کی رپورٹ شائع کر کے یہ ظاہر کیا تھا، کہ صرف لاہور میں ان کے گیارہ [۱۱] قبیلے۔ سات سو بیس [۷۲۰] خاندان اور پانچ ہزار دو سو اکاون [۵۲۵۱] افراد بستے ہیں۔

ماہنامہ سوداگر۔ اشاعت خاص سنہ ۶۷ء میں کراچی کی جمعیت پنجابی سوداگران دہلی کی شاخ واقع ڈھاکہ کے سروے کے مطابق صرف ڈھاکہ میں مقیم افرادِ برادری کی تعداد آٹھ سو ستانوے معلوم ہوئی ہے۔

مشرقی پاکستان کے دُوسرے شہروں میں بھی اِس برادری کے افراد آباد ہیں اور چنیوٹی برادری بھی ایک خاصی تعداد میں مشرقی پاکستان میں موجود ہے۔

مغربی پاکستان میں ان تینوں برادریوں کے علاوہ مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے مغربی پاکستان میں آئے ہوئے شیخوں کی گنتی لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ وہاں ان کے بڑے بڑے مرکز دہلی۔ امرت سر۔ جالندھر۔ فیروزپور۔ کپور تھلہ جنڈیالہ۔ جستروال۔ فتح گڑھ چوڑیاں۔ کھیم کرن اور بھگواڑہ وغیرہ کے شہر و علاقے تھے۔

کلکتہ۔ آگرہ اور دہلی سے ہجرت کر کے پاکستان میں آجانے والوں کی تعداد معتدبہ ہونے کے باوجود ہنوز ایک خاصی تعداد اُن شہروں میں مقیم موجود ہے۔

مغربی پاکستان میں چنیوٹ اور نارووال کے علاوہ۔ لاہور۔ شرقپور۔ بھیرہ خوشاب۔ سرگودھا۔ میانوالی۔ جھنگ۔ ملتان۔ قصور۔ وزیر آباد۔ ایمن آباد اور گوجرانوالہ ایسے منبع قصبے اور اضلاع ہیں جہاں سے نقل مکانی کر کے آروڑا اور کھتری شیخ چنیوٹیوں، اور نارووالیوں کی مانند سارے مُلک کے طُول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حُسنِ اتفاق ہے کہ آج سے صدہا سال پہلے بھی آروڑا قوم اسی خطۂ ارضی پر کثرت سے آباد تھی جسے اب مغربی پاکستان کا نام دیا گیا ہے۔

دیگر سب شہروں کے مقابلہ میں لاہور میں اِس وقت اِن کی آبادی زیادہ ہے۔ کیونکہ ایک تو یہاں تقسیم مُلک سے پہلے ہی اِن کی خاصی تعداد مُوجُود تھی۔ دُوسرے پاکستان کے معرضِ وجُود میں آنے کے بعد مشرقی پنجاب کے دیہات

اور شہروں سے، ریاستوں سے، دہلی۔ آگرہ اور کلکتہ سے کثیر تعداد میں وارد ہو کر یہ حضرات یہاں رونق افروز ہو گئے ہیں۔

لاہور میں کپڑا مارکیٹ، اور شو مارکیٹ کی ابتداء انہی حضرات نے کی ہے۔ اور کریانہ و غلّہ مارکیٹ کو فروغ دیا ہے۔

گوتیں اور ذاتیں
یعنی
شعُوبؔ و قبائل

ذاتوں اور گوتوں کی نسبت متعدّد بار وضاحت آئندہ صفحات میں کی گئی ہے۔ اور "تاریخ کھتریاں آرورڈبنس" سے آروڑا قوم کی ذاتوں کی بسیط فہرستیں بھی نقل کی گئی ہیں۔ یہاں پر صرف اُن ذاتوں کے نام دینے پر اِکتفاء کیا جا رہا ہے، جو راقم الحرُوف کے رِشتہ داروں کی ہیں، یا اُس کے اچھی طرح سے جانے پہچانے حلقوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

الفؔ :- رِشتہ داروں میں :-

سدھانے ۔ مونگے ۔ چاولے ۔ گٹارِیئے ۔ ببّر ۔ بنبل ۔ مدان ۔ نرولے گابے ۔ وکھونے ۔ گرتبے ۔ وَدھوسے ۔ دھینگڑے ۔ ہنس ۔ سیج دے ۔ کھرانے ککڑیچے ۔ ریلے ۔ پھوٹیلے ۔ بتے ۔ نارگ اور ناگ ہیں ۔

بؔ ۔ نارو والی خواجگان میں :-

کھرانے ۔ جادے ۔ سپدیو ۔ ککڑیا ککڑیچے ۔ چاننے ۔ چھوکرے ۔ وھیڑ ڈگرتبے ۔ خدابندے ۔ دھینگڑے اور چاولے ہیں ۔

جؔ ۔ چنیوٹیوں میں :-

ٹکوں ۔ ووہرہ ۔ ودھاون ۔ کپور ۔ گوروارے ۔ بھراڑہ ۔ منوں

پستر بجہ ۔ سہگل ۔ ڈھینگڑے ۔ چھڑے ۔ آنول ۔ پوری ۔ تلواڑ ۔ چاولے ۔

د ۔ پنجابی سوداگران یا پنجابی شیخان دہلی والوں میں :۔

چانڈنہ ۔ کھھوریا ۔ چانولہ ۔ بٹلہ ۔ باڑی ۔ بیدی ۔ مہندی رتے ۔ جملانے بتونے ۔ ٹوپے ۔ چھابڑا یا چھاپڑہ ۔ سو بیجے ۔ گابہ ۔ سچدیو ۔ سیٹھی ڈھائی گھرے ۔ ست گھرے ۔ بھلّے یا بھولا والے ۔ سروانے ۔ کالیٹے اَللہ والے یا اہلو والئے ۔ پائی والے ۔ دفتری ۔

ہ ۔ مُتفرق :۔

مہتہ ۔ اُپل ۔ بھنڈاری ۔ کھوسلہ ۔ بجاج ۔ ریوڑی ۔ کپور ۔ چوپڑے کھنّہ ۔ ساہنی ۔ ساہنسن ۔ سرین ۔ نندہ ۔ سُونی ۔ سُود ۔ بترے وغیرہ

فہرست الف اور ب میں دی گئی سب کی سب ذاتیں آروڑا قوم کی ہیں ۔ جب کہ فہرست ج میں کچھ آروڑا قوم سے تعلق رکھتی ہیں، اور کچھ کھتری قوم سے ۔ اور فہرست د میں مندرجہ گوتیں ماہنامہ "سوداگر" کراچی اشاعتِ خاص سے لی گئی ہیں ۔ وہاں جناب شیخ ذکرالرحمٰن صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایک اِنٹرویو میں صراحت فرمائی ہے، کہ سروانے اور کالیٹے گوت کے حساب سے پنڈت ہیں ۔ اَللہ والے ذات کے حساب سے کلال ہیں ۔ مُلتانی خاندان والے بلحاظ اَل یا گوت گابہ ہیں ۔ اور پائی والے اور دفتری بلحاظ اَل یا گوت بٹلہ ہیں ۔

راقم الحرُوف اِس فہرست کے بارے میں سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا، کہ اِس میں بیشتر ذاتیں وہی ہیں، جو مغربی پاکستان کی آروڑا قوم

میں موجود ہیں۔ البتہ کسی کسی نام کے تلفظ یا املا میں دہلوی لب و لہجہ نے خفیف سا فرق پیدا کر دیا ہے۔ ہم کہیں گے چاننہ۔ وُہ بولتے ہیں چاندنہ۔ ہم لکھتے ہیں چاولہ۔ اُنہوں نے لکھا ہے چانولہ۔ چنانچہ میرے خیال میں ٹبلہ اور بترا۔ یا بترا اور بتہ یا بتونے۔ باڑی اور بھیڑ۔ سروانے اور سدوانے، یا سدھانے۔ بھی ایسی ہی مثالیں ہیں۔ اللہ والے اگر آہلو والیہ سے بنے ہیں، تو واقعی کلال ہوں گے۔ اور اگر ایلاں وادٹے سے مُراد ہیں، تو یہ بھی آروڑا قوم کی ایک مشہور گوت ہے۔

اور ۵ کے محاذ میں لکھی ہُوئی جُملہ ذاتیں کھتری قوم کی ہیں۔

مندرجہ بالا فہرستوں پر غور کیا جائے، تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بعض گوتوں کے ہندوآنہ ناموں کو اسلامی شکل دی گئی ہے۔ مثلاً کھربندے سے خدا بندے۔ سچدیو سے سجدے۔ ایلاں وادٹے سے اللہ والے وغیرہ۔

کیا آروڑے اور کھتری ایک قوم ہیں؟

اِس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے راقم الحروف جتنی تحقیق، اور جتنا مطالعہ کر سکا ہے، اُس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ :-

آروڑے اور کھتری ایک قوم ہیں۔

ہندوؤں میں دونوں جماعتوں کے لئے اعزازی القاب ایک ہیں۔

لالہ - رائے اور دیوان

مُشرّف بہ اِسلام ہونے کے بعد دونوں کے القاب مُشترک ہیں۔

شیخ - خواجہ یا میاں

خدوخال اور عادات وخصائل ایک جیسے ہیں۔

پیشے، کاروبار - ذہنیت اور ذہانت کے اعتبار سے یکساں ہیں۔

ہندوؤں میں بھی جیسا کہ لالہ کُندن لال کے مکتوب[1] سے ظاہر ہوتا ہے، یہ آپس میں رشتے ناطے کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی آروڑے اور کھتری باہم رشتہ داریاں رکھتے ہیں۔

چنیوٹیوں کے حلقہ میں آروڑے اور کھتری یکجا ایک برادری ہیں۔

حکیم راج رُوپ نے آروڑا قوم کی ہسٹری لکھتے ہُوئے اپنی کتاب کا نام ہی "تاریخ کھتریاں آروڑ بنس" تجویز کیا ہے۔ اور کچھ ایسی ذاتوں کی

---

[1] ملاحظہ ہو صـ ۸۹

نشان وہی کی ہے جو کھتریوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور آروڑوں میں بھی ملتی ہیں۔ جو حسبِ ذیل ہیں:۔

انند۔ ابھٹ۔ بربنج ندرے۔ موری۔ سیٹھی۔ سنوی ۔سوڈی ہنس۔ کھکران۔ کوچھڑ۔ گاندھی۔ ڈھوڈی۔ ودھون۔ بھڑ میڈ۔ مروترے۔ راول۔ کپور۔ رجادے۔ بھٹیٹھی۔ نندے واسدیو۔

سر ڈینزل ابٹسن "پنجاب کاسٹس" میں۔ سر جارج کیمپبل اپنی تصنیف اینھنالوجی آف انڈیا میں آروڑا اور کھتریوں کو باعتبارِ حسب نسب ایک قوم تصوّر کرتے ہیں اور ان کا تعارُف یکجا کراتے ہوئے بڑے زور دار الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مجموعی طور پر اس سارے خانوادے کو (آروڑے اور کھتریوں کو) میں کھتری ہی کہوں گا" (ملاحظہ ہو پنجاب کاسٹس صفحہ ۲۴۷ دفعہ ۵۳۹)

آئندہ صفحات میں "آروڑہ قوم کے سرسری جائزہ" کے عنوان کے ماتحت متذکرۃ الصدر دفعہ ۵۳۹ سے اقتباسات شامل کئے گئے ہیں۔

نیز دفعہ ۵۴۲ صفحہ ۲۵۱ پر صاحبِ موصوف نے آروڑوں کو اروڑ کے کھتری بیان کیا ہے۔

کھتریوں کے خلاف اٹھائے گئے پرسرام کے فتنہ کی روایت کی رُو سے بھی کم از کم یہ ثابت ہو جاتا ہے، کہ اس کے عہد میں آروڑے اور کھتری ایک قوم تھے۔

پرسرام کے فتنہ کی مختصر کہانی اِس کتاب میں "آروڑا کی وجہ تسمیہ کی بحث"

ے ملاحظہ ہو صـ ۸۳

میں دی گئی ہے ۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۲

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب یہ دونوں گروہ ایک قوم ہیں، تو اِن کو کِس بناپر دو جُدا جُدا قومیں سمجھا گیا؟

راقم کے خیال میں سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ماضی بعید میں کسی وقت کسی باہمی اختلاف کی وجہ سے، جو اب کِسی کو یاد بھی نہیں ہے، قوم دو حصّوں میں بٹ گئی تھی۔ جو آپس میں رشتہ وناطہ پر قدغن ہو جانے کے باعث ایک طویل مُدّت تک ایک دُوسرے سے دُور ہٹے رہے۔

کتاب ہٰذا میں ذاتوں گوتوں کی بحث میں ایسی حدبندیوں اور علیحدگیوں کے بارے میں "پنجاب کاسٹس" سے کچھ اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۳۔

نیز شیخ قوم کی "خصوصیات" کے عنوان کے ماتحت بھی اِن کے ایک دُوسرے سے ٹوُٹ جانے کی عادت کا ذِکر ہُوا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۱

اِن قرائن سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ پراچے اور قانونگوی شیخ حضرات بھی اسی تسبیح کے دانے ہیں۔ بلکہ نہایت وثوق سے کہا جاسکتا ہے، کہ آروڑوں میں جو حضرات متقابلتاً علمی اور مالی اعتبار سے ترقی کر گئے۔ وہ اجناس اور افراد کے کھاتے رکھنے کی نسبت سے کھتری کے نام سے یاد کیے گئے۔ اِسی طرح جو کھتری یا آروڑہ حضرات، مغلیہ عہد میں سرکاری ملازمت میں منسلک ہوئے وہ قانونگوئی کے لقب سے ملقّب ہُوئے۔

زندگی کی علامات

اصلاحی اور رفاہی کام

زندگی اگر کاروبار ہی سے عبارت ہو، تو یہ قوم سو فیصد زندہ و تابندہ ہے، مگر دانشوروں کے نزدیک زندگی کی اقدار کچھ اور بھی ہیں۔ جن میں سرِفہرست کرنے کے کچھ کام، فیض کے اسباب ہیں۔ مثلاً

- بیماروں کی خدمت .... مع ساز و سامان مکمل ہسپتال بنا کر
- بیمار داروں کی خدمت .... ایمبولینس گاڑیاں مہیا کر کے، اور فیملی کوارٹر اور سپیشل کمرے بنا کر
- تندرستوں کی خدمت .... مراکزِ ورزش کھول کر
- بچگان اور زچگان کی خدمت ... مراکزِ بچگان و زچگان کھول کر، اور لیڈی ہیلتھ وزیٹر اور ڈاکٹر متعین کر کے
- بوڑھوں اور معذوروں کی مدد .... وظیفے اور روزینے مقرر کر کے
- یتیموں اور بیوگان کی مدد ...... وظیفے اور روزینے مقرر کر کے، تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اٹھا کر
- مسافروں اور لاوارثوں کی مدد ... مسافر خانے اور لنگر کھول کر

- بے روزگاروں کی مدد .... سرمایہ، یا روزگار مُہیا کر کے
- قرضداروں کی مدد .... امدادی فنڈ زکوٰۃ سے کھول کر
- بے علموں کی مدد .... مثالی مدرسے اور مکتب کھول کر
- مستحق طالب علموں کی مدد ...... اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف جاری کر کے، فاؤنڈیشن بنا کر۔ مُفت کتابیں دے کر، لائبریریاں کھول کر۔
- بد رسموں اور فضول خرچیوں کا انسداد ...... خُود نمُونہ اور مثال بن کر
- نئے نمُونے کے بنک، اور انشورنس کمپنیاں قائم کرنا ..... جن کی بنیاد سُود پہ نہ ہو بلکہ نفع نقصان پر ہو۔ یا جن کی بنیاد نہ نفع نہ نقصان نہ سُود پر ہو۔
- جماعتی سرمایہ سے اچھے رہائشی مکان تعمیر کرنا ...... جن کی قیمت بالاقساط وصُول کی جائے یا برائے نام کرایہ ہو۔

زندگی کو اِس معیار پر پرکھا جائے، تو شیخ قوم میں سے چنیوٹی برادری ایک معقول حد تک فعال پائی جاتی ہے۔ ان کے بعد دُوسرے درجہ پر لائقِ تحسین پنجابی شیخ دہلی والے ہیں۔ اور پھر خواجگانِ نارووال ہیں۔ باقی حضرات جو لاکھوں کی تعداد میں ہیں، ایسے کارہائے خیر کی جانب فی الحال اجتماعی طور پر توجہ مبذُول نہیں کر رہے۔ اگرچہ اِنفرادی طور پر، اور غیر منظّم طریق پر بہت کچھ ہو رہا ہے۔

شیخانِ چنیوٹ

کی

سماجی کارگزاریاں

رفاہِ عام کے اِدارے

شیخ برادری چنیوٹ مقیم کراچی

کی

سماجی سرگرمیاں

اِس برادری کی ایک تنظیم "ینگ فرینڈز یونین" بھاگناری سٹریٹ کراچی نے سنہ ۶۵-۱۹۶۴ء میں ایک سو بارہ ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ایک فہرست شائع کی تھی۔ جس میں کراچی میں کاروبار کرنے والی برادری کی تین سو چھیالیس ۳۴۶ فرموں کے نام۔ پتے۔ کاروبار کی نوعیت۔ ٹیلیفون نمبر۔ مالکان کے نام مع ولدیت۔ ذات اور رہائش کے پُورے پتے درج ہیں۔ تاکہ برادری کے افراد ایک دُوسرے کے ساتھ ہر طرح کا رابطہ اور تعاوُن بآسانی قائم رکھ سکیں۔

اِس فہرست سے یہ پتہ بھی چلتا ہے، کہ اِس برادری نے اپنے وطنِ مالوف چنیوٹ ضلع جھنگ میں قابلِ ذکر اور خاطر خواہ مثالیں قائم کی ہیں۔ جن کی تفصیل مُتذکرہ فہرست سے حرف بحرف یہاں نقل کی جا رہی ہے۔

مالی حالت

انجمن اسلامیہ چنیوٹ

انجمن اسلامیہ کی بُنیاد، چند باہمت اور دردِ دل رکھنے والے بزرگوں کے ہاتھوں ۲ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء کو رکھی گئی۔ تاکہ علاقہ کے مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی کے لئے منظم جدّ وجہد کی جائے۔ ابتداءً پرائمری سکول کھولا گیا۔ جسے سنہ ۱۹۰۵ء میں مڈل کردیا گیا۔ اور سنہ ۱۹۱۵ء میں ہائی سکول ہوگیا۔ یہ انجمن ایکٹ نمبر ۲۱ سنہ ۱۹۰۶ء کے تحت ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کے کُل امُور رُوحانی اور مادی میں دلچسپی لینا، ان کی تعلیم کا ہر طرح سے انتظام کرنا۔ مذہبی مقاماتِ مقدسہ کی نگرانی اور انتظام کرنا غریب اور نادار بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا اس انجمن کے اغراض و مقاصد میں شامل ہے انجمن کا انتظام مجلسِ منتظمہ کی معرفت ہوتا ہے، اور پالیسی جنرل کمیٹی طے کرتی ہے؛ اور جنرل کمیٹی ہی مجلسِ منتظمہ کا انتخاب کرتی ہے۔ انجمن اسلامیہ کا چندہ ممبری پچیس 25/ روپے سالانہ ہے۔ اور اگر کوئی صاحب پانچ سو 500/ روپے یک مُشت ادا کریں، تو وُہ لائف ممبر ہو سکتے ہیں۔ جن کو پھر ہر سال چندہ دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس ادارہ کے تحت حسب ذیل ادارے کام کر رہے ہیں:-

۱۔ **اسلامیہ ہائی سکول**۔ اس وقت اس میں پچیس ۲۵ اساتذہ تعلیم دیتے ہیں اور تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، اور اس کا سالانہ نقصان اٹھائیس ہزار ۲۸۰۰۰ روپے ہے۔

۲۔ اِسلامیہ ماڈل پرائمری سکول ۔ یہ دس سال سے چل رہا ہے۔ اِس وقت تین صد بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تیسری جماعت سے انگریزی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ دینی تعلیم پر خصوصی زور دیا جاتا ہے۔

اِسی انجمن کے تحت ۱۹۵۶ء میں ایک کالج کھولا گیا ہے تاکہ وہ طلبہ جو چنیوٹ کے ہائی سکولوں سے فارغ ہوں اُنھیں بآسانی یہاں کالج کی تعلیم حاصل ہو سکے۔ کالج کے علیحدہ انتظام کے لئے ایک کالج بورڈ بنا دیا گیا ہے۔ اور اب وہ اسی کے زیرِ اہتمام چل رہا ہے۔ پہلے یہ اِنٹرمیڈیٹ تھا۔ مگر پچھلے سال سے اسے ڈِگری کالج بنا دیا ہے۔ جہاں آرٹس، سائنس اور کامرس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کا ماہوار خرچ تقریباً ساڑھے چار ہزار ۴۵۰۰ روپے ہے۔

اسلامیہ ہسپتال

خیراتی شفاخانہ

اسلامیہ ہسپتال کی بنیاد ۱۹۵۶ء میں خواجہ برادری کے چند باہمت اور دردِ دل رکھنے والے نوجوانوں کے ہاتھوں رکھی گئی اور اس وقت قرب و جوار کے غریب و نادار لوگوں کو مفت طبی امداد دی جا رہی ہے۔ جس میں مفت ٹیکے اور قیمتی دوائیں بھی شامل ہیں۔ اس میں سالانہ تقریباً ساٹھ ہزار ۶۰۰۰۰ مریضوں کو مفت دوائی دی جاتی ہے۔ حال ہی میں ایک ایم۔بی۔بی۔ایس ڈاکٹر۔ اور ایم۔بی۔بی۔ایس لیڈی ڈاکٹر کا تقرر کیا گیا ہے۔ اس کا سالانہ خرچہ تقریباً پچاس ہزار ۵۰۰۰۰/ روپے ہے۔ جس میں حکومت کے کسی بھی محکمے، مثلاً ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ۔ ڈسٹرکٹ کونسل، یا میونسپلٹی چنیوٹ کی طرف سے ایک پائی بھی امداد نہیں ملتی۔ بلکہ محکمۂ اوقاف جس کے ماتحت شاہی مسجد ہے۔ وہ کسی امداد دینے کی بجائے دو صد روپیہ ماہوار عمارت کا کرایہ وصول کرتا ہے۔ پچاس ہزار ۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کا خرچ صرف خواجہ برادری کے عطیات سے پورا کیا جا رہا ہے۔

اسلامیہ ہسپتال کی ممبر شپ پانچ روپے ماہوار ہے۔ اور اس کا انتظام مجلسِ منتظمہ کے ذمہ ہے۔ جسے جنرل باڈی ہر سال انتخاب کرتی ہے۔ یہ باقاعدہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے۔ اسی ادارے کے ماتحت گرمیوں میں سٹیشن پر ٹھنڈا پانی پلانا، اور جنازہ گاہ کا انتظام بھی ہے۔

مدرسۃ البنات ہائی سکول

جس طرح طلبہ کی تعلیم کے لئے اسلامیہ ہائی سکول قائم کیا گیا تھا۔ اسی طرح ۱۹۳۶ء میں طالبات کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے مدرسۃ البنات جاری کیا گیا۔ یہ ۱۹۵۷ء تک مڈل رہا لیکن ۱۹۵۷ء میں اسے ہائی سکول کر دیا گیا۔ ہر سال اس میں طالبات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اور نہایت عمدہ نتائج نکل رہے ہیں۔ اور علاقہ بھر میں اسے نمایاں پوزیشن حاصل ہے۔ اس کا انتظام کالج بورڈ کر رہا ہے۔ اس کا سالانہ نقصان تقریباً ستائیس ہزار /۲۷۰۰۰ روپے ہے۔

برادری سوچ رہی ہے، کہ اسے کالج بنا دیا جائے

اِصلاح ہائی سکول

یہ سکول اپریل ۱۹۵۱ء میں چند درد مند حضرات کی کوششوں سے علاقہ کی بڑھتی ہوئی تعلیمی ضروریات کے پیشِ نظر جاری کیا گیا - ۱۲ سال کی قلیل مدت میں اِس علاقہ بھر کے بہترین سکولوں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے - اِس وقت اِس سکول میں ایک ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں - اسی ادارہ کے زیرِ اہتمام ایک اِصلاح ماڈل پرائمری سکول بھی ہے - ہائی سکول میں اِس وقت اٹھارہ قابل اساتذہ ہیں - جن کی کوششوں سے تعلیمی حالت نہایت حوصلہ افزا اور اچھی ہے - تقریباً بتیس ہزار روپیہ سالانہ خرچ کا اندازہ ہے -

جامعہ عربیہ چنیوٹ

خصوصی دینی تعلیم جس میں تھوڑی بہت جدید تعلیم بھی ہو۔ اس کی ضرورت کے پیش نظر ۱۹۵۴ء میں جامعہ عربیہ کی بنا ڈالی گئی۔ اور دس سال کے عرصہ میں اس نے ایک مثالی حیثیت اختیار کر لی۔ اسی میں ایک شعبہ حفظ القرآن کا بھی ہے۔

حال ہی میں اس کی مجلس منتظمہ نے ایک دار الحدیث بنانے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ تاکہ یہاں پر دورۂ حدیث بھی ہو۔ اس کا سالانہ خرچہ تیس ہزار روپے ہے۔ اس میں تعلیم حاصل کرنے والے مستحق طلبہ کو کھانا وغیرہ بھی ادارہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

انجمن اِصلاح المسلمین

یہ اِدارہ ۱۹۳۴ء میں میاں اللہ بخش صاحب فلودیہ کی کوششوں سے قائم ہوا۔ اور شہر کی نہایت اہم ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کے تحت اِس وقت مندرجہ ذیل کام ہو رہے ہیں:-

۱۔ شہر کے مختلف علاقوں میں ۶۸ نلکے لگائے گئے ہیں۔

۲۔ چھ جگہوں پر گھوڑوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے حوض بنائے گئے ہیں۔

۳۔ لڑکوں کے دو دِینی مدرسے چلائے جا رہے ہیں۔

۴۔ قبرستان کا پورا انتظام اِس ادارہ کے تحت ہے۔ حال ہی میں سارے قبرستان میں سڑکیں اور پگڈنڈیاں بنائی گئی ہیں۔ تاکہ قبروں کی بے حرمتی نہ ہو۔ اور آنے جانے میں آسانی ہو۔ قبرستان میں جگہ جگہ گڑھے تھے وہ بھروائے گئے ہیں۔

۵۔ لاوارث میتوں کی تجہیز و تکفین کا اِنتظام کرنا۔

۶۔ رمضان المبارک میں سحری اور افطاری میں گولے چلانے کا اِنتظام۔

۷۔ حال میں لڑکیوں کے لئے دِینی مدرسہ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اور اب لڑکیوں کے لئے سلائی کی مشینوں کا بندوبست کر کے ان کو سلائی کٹائی کی تربیت دینے کے لئے بھی ایک اِصلاح انڈسٹریل گرلز سکول کھولا ہے۔ انجمن کا سالانہ خرچ گیارہ ہزار روپے کے قریب ہے۔

اسلامی یتیم خانہ

محترم حاجی محمدؐ امین صاحب سہگل نے اپنی جیبِ خاص سے اپنی طرز کا واحد ادارہ گزشتہ بیس برس سے قائم کر رکھا ہے۔ جس میں یتیم بچّوں کو منظّم، اور نہایت عمدہ طریقے پر تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کر کے میدانِ عمل میں بھیجا جاتا ہے۔ جہاں وُہ اپنی خود داری کو قائم رکھتے ہُوئے باعزّت روزی کما سکتے ہیں۔ اُور دُوسروں کے لئے بھی سہارا بنتے ہیں۔ یہاں پر یتیموں کو یتیمی کا اِحساس ہی نہیں ہونے دیا جاتا۔ اُور صاف ستھرے ماحول میں دِینی و دُنیوی تعلیم ملتی ہے۔ اِس وقت تقریباً ۹۰ یتیم یہاں پرورش پا رہے ہیں۔

کراچی میں شفا خانے اور بیت المال

شیخ محمد شفیق سیکرٹری ینگ فرینڈز یونین بھاگناری سٹریٹ کراچی نے اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۵۔ ستمبر ۱۹۶۷ء کے ذریعہ بتایا ہے: کہ چنیوٹ کی شیخ برادری نے گزشتہ تین برسوں میں کچھ خدمات اور بھی سرانجام دی ہیں۔ مثلاً کراچی کے ایک غریب علاقہ چاکی واڑہ میں ایک ڈسپنسری کھولی گئی ہے۔ جہاں قیمتِ خرید پر ادویات مہیا کی جاتی ہیں، اور اوسطاً ایک سو پچاس ۱۵۰ مریض روزانہ استفادہ کرتے ہیں۔ اِس ڈسپنسری کی عمارت پچھتر ہزار روپے ۷۵۰۰۰/- میں خرید لی گئی ہے۔ اور عنقریب ایک ایکس رے پلانٹ اِس میں نصب کیا جانے والا ہے۔ نیز خون۔ تھوک۔ ٹٹی۔ پیشاب وغیرہ کے اِمتحان کے لئے ایک معمل اس میں قائم کرنے کا منصوبہ بن چکا ہے۔ یہاں میٹرنٹی ہوم اور انڈسٹریل ہوم کھولنے کی تجویز بھی زیرِ غور ہے۔

ناظم آباد کراچی میں ایک خیراتی شفاخانہ کا اجراء کیا جا چکا ہے جس پر دو ہزار روپیہ ۲۰۰۰/- ماہوار خرچ ہو رہا ہے۔

بیت المال کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ جہاں سے چنیوٹ میں بسنے والے نوّے ۹۰ مستحق خاندانوں کو ہر ماہ ساڑھے تین ہزار روپیہ ۳۵۰۰/- بطور گزارہ الاؤنس علیحدہ علیحدہ منی آرڈروں کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔

اِن مستحقین میں بیوہ عورتیں۔ یتیم بچے۔ بوڑھے۔ بے روزگار۔ اپاہج اور کثیر العیال افراد شامل ہیں۔

جمعیت پنجابی سوداگرانِ دہلی

کی

سماجی سرگرمیاں

پنجابی شیخ دہلی والوں نے کراچی سے ایک ماہنامہ "سوداگر" کے نام سے جاری کیا ہُوا ہے۔ تاکہ برادری یک جہتی کے ساتھ اصلاح و فلاح کی راہ پہ ایک دُوسرے کے دوش بدوش گامزن اور باخبر رہ سکے۔

ایک تنظیم موسومہ "جمعیت پنجابی سوداگرانِ دہلی" بنائی ہوئی ہے۔ اِس تنظیم کی شاخیں لاہور۔ راولپنڈی۔ سکھر۔ حیدر آباد۔ ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں مصروفِ عمل ہیں۔ صدر دفتر کراچی میں ہے۔ کراچی میں علاوہ ازیں مندرجہ ذیل ادارے بھی قائم ہیں۔

۱۔ کُل پاکستان انجمن پنجابی سوداگران کراچی۔

۲۔ پنجابی سوداگر یوتھ لیگ کراچی۔

۳۔ دہلی مرکنٹائل مُسلم کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی۔

۴۔ اِدارۂ اِصلاحِ رسوم کراچی۔

۵۔ دہلی کالونی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی۔

۶۔ دہلی فرینڈز سوسائٹی وغیرہ

غرض دہلی کے پنجابی سوداگران کی جمعیت جو رفاہی۔ اِصلاحی۔ تعلیمی۔ طبی

خیراتی۔ امدادی اور ادبی خدمات سرانجام دے رہی ہے، وہ برادری میں محتاجِ تعارف نہیں۔ اور اِس سلسلہ میں بجا طور پہ ان کو پایونیئر کہا جاسکتا ہے۔

بقول ان کے دہلوی برادری میں بھی عام برادریوں کی مانند تینوں طبقے پائے جاتے ہیں:-

الف:- کاروباری حضرات۔

ب:- ملازم پیشہ حضرات۔ جن کو وہ درمیانہ طبقہ کہتے ہیں۔

ج:- محنت مزدوری کرنے والے حضرات۔

اِس برادری نے مدرسے اور ہسپتال قائم کئے ہیں۔ اور ان کا جمعیت ہاؤس بھی ہے۔ اور گلستان کلب کے نام سے ایک کلب بھی ہے۔

سالانہ اجلاس۔ کنونشن اور عید ملن پارٹیوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

ماہنامہ "سوداگر" اشاعتِ خاص میں ڈھاکہ میں کئے گئے ایک جلسۂ عام کی کارروائی طبع ہوئی ہے، جو وہاں کا نواں سالانہ اجلاس تھا۔

ڈھاکہ میں وہاں کی جمعیت جن خطوط پر کام کر رہی ہے، مندرجہ ذیل شعبے اس کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

شعبۂ مردم شماری۔ شعبۂ فراہمی روزگار۔ شعبہ فراہمی زمین برائے رہائش شعبہ فراہمی زمین برائے قبرستان۔ شعبۂ قرضِ حسنہ۔ شعبہ امداد زکوٰۃ شعبہ طِبّی امداد۔ شعبۂ تعلیم۔ اِدارۂ اِصلاحِ رسوم۔

خواجگانِ نارووال

کی

سماجی سرگرمیاں

خواجگانِ نارووال نے اپنی مدد آپ کے جذبے کے ماتحت اپنی برادری کی اِصلاح و بہبود کے لئے۔ دِینی خدمت کے لئے۔ اور رفاہِ عام کے لئے نارووال لاہور۔ قصور۔ سیالکوٹ۔ ملتان۔ راولپنڈی۔ منٹگمری۔ لائل پور اور کراچی میں بڑی ٹھوس تنظیمیں قائم کی ہوئی ہیں جنہوں نے بیماروں، معذوروں۔ طالب علموں اور بے روزگاروں کی دست گیری کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے۔

دسمبر ۱۹۶۳ء میں شیخ ظہیر علی جاوا نے لاہور' اور لاہور کے مضافات میں آباد برادری کے افراد کی مردم شماری۔ کاروبار اور رہائش کے پتوں پر مشتمل ایک نہایت مفصل ڈائریکٹری شائع کی تھی جس کے پیش لفظ میں بہت سی کام کی باتوں کے علاوہ ڈائریکٹری کی اِفادیت کی ان الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے:۔

" بھائی چارہ۔ اخوت۔ رواداری اور اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کرنے کے لئے یہ کتاب کافی معاونت کر سکتی ہے۔ برادری میں رشتہ ناطہ کے سلسلہ میں ہر قسم کی معلومات اس کتاب سے فراہم ہو سکتی ہیں۔ کاروباری حضرات

سرکاری ملازم ۔ اُمراء، غرباء، محنت کش اور مزدور۔ غرض تمام افرادِ قوم ایک دُوسرے کے مکمل حالات و واقعات سے متعارف ہو کر ایک دُوسرے سے استفادہ کر سکتے ہیں ۔ قوم میں اس وقت تاجر، صنعت کار، دکاندار، سرکاری ملازم ۔ مُبلّغ ۔ عالم ۔ فاضل اور غیر تعلیم یافتہ کاریگر اور مزدور یعنی سب قسم کے افراد موجود ہیں ۔ لیکن ہم لوگ انفرادی ضروریات کو اغیار سے پُورا کرنے پر مجبور ہیں ۔ اس کتاب کے ذریعے ہم ایک دُوسرے سے واقفیت حاصل کر کے ملازمت یا کاروباری سلسلہ میں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں ۔"

خواجگانِ نارووال نے لاہور میں ایک ہائی سکول بنام خواجہ ماڈل ہائی سکول جاری کیا ہوا ہے ۔ ایک دینی مدرسہ باسم "جامعۃ المنتظر" بالغان کے لئے کھولا ہوا ہے ۔ ایک ہومیو پیتھک ہسپتال بنایا ہے ۔ جس سے تقریباً اڑھائی سو ۲۵۰ مریض روزانہ استفادہ کرتے ہیں ۔ ہسپتال کا نام ہے "امامیہ دار الشفاء" ایک ادارہ اصلاح و بہبودِ خواجگانِ نارووال کے نام سے چل رہا ہے ۔ اور ایک اسلامک ویلفیئر سوسائٹی شاد باغ لاہور میں کام کر رہی ہے ۔

انجمن ترقی و بہبود شیخ برادری لاہور

یہ انجمن برادری کے بچوں اور بچیوں کو امتحانات اور مقابلوں کے نتائج کی بنیاد پر انعامات و سندات دینے کا سالانہ اہتمام کرتی ہے۔ تاکہ نونہالانِ قوم میں علم حاصل کرنے، ہنر سیکھنے، اور جسمانی نشو و نما کا شوق اور مسابقت کا جذبہ پیدا ہو۔ ان مقابلوں میں حصہ لینے والوں کے لئے برادری کے فرد ہونے کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں ہے۔

تعلیمی قابلیت کا موازنہ سکولوں اور کالجوں کے سالانہ امتحانات کے مصدقہ نتائج سے کیا جاتا ہے۔ اور حفظِ قرآن۔ حسنِ قرأت۔ تقاریر۔ خوشنویسی اور مروجہ کھیلوں اور نشانہ بازی کے مقابلوں کا خاص طور پر بندوبست کیا جاتا ہے۔

خانہ داری۔ کٹائی۔ سلائی کشیدہ کاری اور زنانہ کھیلوں میں بچیوں کے مقابلے کرائے جاتے ہیں۔

اس انجمن کے اکثر ارکان برادری کے دائرہ سے باہر بھی رفاہِ عام کے کاموں میں ہر طرح کی دلچسپی لے رہے ہیں۔

چنانچہ اس انجمن کے جائنٹ سیکرٹری و خازن حاجی محمد رفیق اشرفی جن کی وساطت سے یہ معلومات بہم پہنچی ہیں۔ شادباغ لاہور میں ایک تعلیمی ادارہ اصلاحِ معاشرہ ہائی سکول کے کرتا دھرتا بھی ہیں۔

انجمن شیخانِ پنجاب رجسٹرڈ کراچی

کراچی میں یہ انجمن اُن شیخ صاحبان کی ہے، یا تھی جو اُمرت سر،
فیروز پور۔ جالندھر۔ گورداسپور کے اضلاع اُور شہروں سے ہجرت کر کے
وارِدِ پاکستان ہو کر، کراچی میں آباد ہوئے۔ ان میں سے چند اہلِ دِل اصحاب نے
۱۹۵۷ء میں اس انجمن کی بنیاد رکھی۔ اور برادری کی اصلاح اور بہبوُد کی غرض
سے انجمن کی مجلسِ عامہ کی طرف سے چند قیمتی تجاویز پاکستان بھر میں مقیم برادری
کی منظوُری کے لئے ایک پمفلٹ کی شکل میں پیش کیں۔ مگر یہ ایک تلخ حقیقت
ہے، کہ تجاویز معقول اور قابلِ عمل ہونے کے باوجوُد عملی جامہ نہ پہن سکیں۔
اور نہ ہی انجمن کی طرف سے کوئی اور کارِ نمایاں ظہوُر میں آیا۔
اِنفرادی طوَر پر یقیناً بہت کچھ ہو رہا ہے۔



بَدّھا لک آر وڑیاں

تے

مُنّا کوہ لہور

آروڑا قوم کا سرسری جائزہ

جیسا کہ مردم شماری کی سرکاری رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ تقسیم ملک یعنی قیام پاکستان سے قبل آروڑا قوم مغربی پاکستان اور مشرقی پنجاب کے تمام اضلاع میں بڑی کثرت سے آباد تھی۔ اور یو۔پی۔ دہلی۔ جے پور۔ جودھ پور راجپوتانہ اور بیکانیر کے علاقوں میں بھی اِن کی کمی نہ تھی۔ بھارت کے ہر بڑے شہر میں تھوڑی بہت تعداد میں یہ موجود تھے۔

تقسیمِ ملک کے بعد جہاں مغربی پاکستان سے ہندو اور سکھ آروڑے بھارت کا رُخ کر گئے ہیں، وہاں اُن سے تھوڑی ہی کم تعداد میں مسلمان آروڑے (شیخ) اضلاعِ اَمرتسر۔ گورداسپور۔ فیروزپور۔ لدھیانہ۔ جالندھر۔ دہلی۔ اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں کپورتھلہ وغیرہ سے ہجرت کر کے مغربی پاکستان میں آ بسے ہیں۔ چونکہ مسلمان آروڑے یہاں پہلے بھی موجود تھے۔ لہٰذا ان کی مردم شماری نہ تو پاکستان میں بُری طرح مُتاثر ہوئی ہے۔ اور نہ بھارت میں نمایاں طور پہ بڑھی ہے۔ اعداد و شمار تقریباً مساوی ہی رہے ہیں۔

آروڑا قوم بہ حیثیتِ مجموعی ایک اَن تھک محنتی قوم ہے۔ اور محنت مزدوری کا چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں عار نہیں سمجھتی۔ یہ لوگ اگر سرکاری ملازمت میں اَدنیٰ درجے کی خدمت سے لے کر اَعلیٰ کلیدی عہدوں تک کے اہل ہوتے ہیں، تو جہاں موقع ملا ہے، بہت اچھے کاشتکار بھی ثابت ہوئے ہیں۔

دھاتوں کے برتن بنانے کے ماہر کاریگر ہیں۔ زرگری کر لیتے ہیں۔ درزی بن جاتے ہیں۔ حلوائی کا کام کر سکتے ہیں۔ تاہم

ع ہر کسے را بہرِ کارے ساختند

کے مصداق قدرت نے ان کو تجارت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور کاروباری صلاحیتوں سے خاص طور پر نوازا ہے۔ حساب کتاب اور معاملہ فہمی میں اِن کے دِل و دماغ کا جواب نہیں۔ گاؤں گاؤں اور کوچہ بکوچہ پھیری کرنے سے لے کر تھوک فروشی۔ ذخیرہ داری اور درآمد برآمد کی تجارت ان کے ہاتھ میں ہے۔ صرّاف۔ ساہوکار اور ٹھیکہ دار یہ ہیں۔ افغانستان۔ ایران۔ بیروت۔ بصرہ۔ کویت۔ دمام، اور یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں ہوٹل اور کاروباری ادارے انہوں نے کھولے ہوئے ہیں۔

آروڑا اقوام
یورپین محققین کی نظر میں

ذیل میں سر ڈینزل ابٹ سن کی تصنیف "پنجاب کاسٹس" سے چند اقتباسات ان الفاظ کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں، کہ صاحب موصوف کی رائے میں کھتری اور اروڑے باعتبارِ حسب نسب ایک قوم ہیں۔ بالخصوص سر جارج کیمپبل کے حوالہ جات میں کھتری اور آروڑوں کو بہ ہیئت مجموعی کھتری کہا گیا ہے

پنجاب کاسٹس صد ۲۵۱ پر ہے :-

"آروڑا چاق چوبند، آدمی، جفاکش اور جُز رس ہوتا ہے۔ آروڑا کمر باندھ لے تو لاہور اور جھنگ کا فاصلہ دو میل کی وقعت رکھتا ہے۔"

(بدھا لک آروڑیاں تے مُنّا کوہ لہور)

"آروڑا ہر فن مولا ہے۔ یہ لائقِ تحسین کاشتکار ہے۔ زیریں پنجاب کے آروڑوں کا زیادہ حصہ باعتبارِ پیشہ خالصتہً زراعت کار ہے۔"

"افغانستان میں بلکہ ترکستان میں بھی یہ موجود ہیں۔ ان ممالک کے یہ ہندو تاجر ہیں، جب کہ مغربی پنجاب میں یہ ملبوسات سیتے ہیں۔ چٹائیاں اور ٹوکریاں بناتے ہیں۔ پیتل اور تانبے کے ظروف

گھڑتے ہیں - اور زرگری کا کام کرتے ہیں"۔

پھر صفحہ ۲۴۷ پر دفعہ ۵۳۹ کے متن میں درج ہے۔ کہ:-

"سر جارج کیمپبل کی 'اینتھانولوجی آف انڈیا' کا مندرجہ ذیل اقتباس کھتری کا مرتبہ ایسی خوش اسلوبی سے واضح کرتا ہے کہ مجھے (ابٹ سن) اس کی تلخیص کر کے غارت کر دینے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہیئے۔ آروڑوں کی نسبت، جن کا شمار وہ (یعنی سر جارج) کھتریوں کے زمرہ میں کرتے ہیں۔ میں (ابٹ سن) وضاحت کرنے والا ہوں' کہ تجارت ان کا اصل پیشہ ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کی اقتدار زیادہ وسیع اور ممتاز ہیں۔

پورے پنجاب اور افغانستان کے بیشتر حصّہ کی، بلکہ اس سے بھی بہت آگے نمک کی تجارت کی اجارہ داری کے علاوہ یہ پنجاب کے نظامِ حکومت میں سرکردہ ناظم ہیں۔ دفتری کام تقریباً سارے کا سارا ان کے ہاتھوں میں ہے۔

اور جہاں تک سکھوں کی مذہبی قیادت کا تعلق ہے۔ اُن کے مذہبی رہنما اور گرو یہی واقعہ ہوئے ہیں۔

بابا نانک اور گورو گوبند سنگھ دونوں کھتری ہی تو تھے۔" اور ایامِ حال میں ان کے مذہبی پیشوا بیدی اور سوڈھی بھی کھتری ہیں"

"سو اس طرح جس حد تک ایک قوم زیادہ سے زیادہ فعال ہو سکتی ہے، ان کو پنجاب میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو مرہٹہ علاقہ میں

مرہٹہ برہمنوں کو میسّر ہے۔ بلکہ تجارت کی اجارہ داری ان کے پاس مُستزاد ہے۔ جو مرہٹوں کو نصیب نہیں۔

گو بلحاظ کردار یہ فوجی نہیں ہوتے۔ تاہم وقت پڑنے پر تلوار کا استعمال کر جانتے ہیں۔

ملتان کا گورنر دیوان ساون مل اور اُس کا (بالفاظ ابٹ سن) بدنام جانشین مُولراج اور رنجیت سنگھ کے کئی ایک بڑے بڑے انتظامیہ افسر کھتری ہُوئے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمان حکمرانوں کے ماتحت بھی اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز ہوتے رہے ہیں۔ بدخشاں یا کندوز (KUNDUZ) میں ایک کھتری دیوان کا ذکر آتا ہے۔

مجھے یقین ہے، کہ پشاور میں پٹھانوں کے ماتحت بھی ایک کھتری گورنر رہ چکا ہے۔ شہنشاہ اکبر کا مشہور و معرُوف وزیر ٹوڈر مل کھتری تھا۔ اور اس مسلمہ شخصیت کے ایک رشتہ دار جوتی پرشاد نے، جو آگرہ میں فوج کو بہم رسانیٔ رسد کا ایک بہت بڑا ٹھیکیدار ہے۔ حال ہی میں مجھے بتایا، کہ وُہ بھی ایک کھتری ہے۔ المختصر ہندوستان میں کھتری قوم بلاشُبہ نہایت ہی سرگرم عمل اور لائقِ تحسین اقوام میں سے ایک ہے۔ اگرچہ فی الواقع یورپ کے باشندے یُونہی پنجاب میں مقامی طور پر جاننے کے سوا کھتریوں کو زیادہ نہیں جانتے۔

کھتری کٹّر ہندو ہیں۔ اور تقریباً یہ ایک نادر مثال ہے کہ سکھوں کو مذہب اور مذہبی رہنما عطا کرنے کے باوجود نسبتاً یہ خود شاذونادر ہی سکھ

ہوتے ہیں۔

کھتری نہایت ہی شُستہ اور حسین و جمیل نسل ہیں۔ اور جو کچھ ان کے بارے میں کہا جاچکا ہے۔ اُس سے یہ اِستنّباط کیا جاسکتا ہے، کہ بالعمُوم یہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔

کھتریوں سے دُوسرے درجہ پر کھتریوں کی ایک بہت بڑی شاخ ہے، جو مرتبہ میں ان سے قدرے کم ہے۔ مگر کاروباری صلاحیت کے لحاظ سے بالکل ان کے برابر کی ہے۔ جسے ساؔوڑ یا ساؔوڑا کہا جاتا ہے۔ بلند درجہ والے خاص کھتری عام طور پر ان کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعلُّق تسلیم نہیں کرتے۔ مگر میرے خیال میں بدونِ شک نسبی طور پر یہ ایک ہی ہیں۔ اور یقیناً باعتبارِ معیشت یہ کھتریوں کے ساتھ خلط ملط ہیں۔ مجمُوعی طور پر اِس سارے خانوادے کو مَیں کھتری ہی کہُوں گا"

آروڑہ قوم کے بارے میں، ایک ہندو دوست کا مکتوب

یہاں لالہ کندن لعل آروڑہ بزاز فتح گڑھ چوڑیاں کے ایک مکتوب کا وُہ حصّہ شامل کر دینا مناسب رہے گا جو اُنھوں نے میرے ایک خط کے جواب میں آروڑا قوم کی نسبت کچھ معلومات بہم پہنچاتے ہُوئے ۱۳- مارچ ۱۹۶۵ء کو میری جانب لکھا تھا- لکھتے ہیں :-

"کافی دیر ہُوئی غالباً ۳۲-۱۹۳۰ء کی بات ہے، کہ ایک آروڑبنس کانفرنس اَمرت سر میں ہُوئی تھی- مَیں بھی اُس کانفرنس میں گیا تھا- وہاں پر ایک کتاب 'تارِیخ آروڑبنس' یا 'آروڑبنس ہسٹری' ایسے ہی نام کی میرے ایک رشتہ دار جو میرے ساتھ ہی گئے ہُوئے تھے- لائے تھے- آج اُن کو بھی خط لکھا ہے، کہ اگر وُہ کتاب اب بھی ان کے پاس ہو تو مجھے بھیجیں- وُہ کتاب اُس وقت کے اروڑبنس سُکھ سبھا کے پریذیڈنٹ رامچند منجندہ نے لکھی تھی- اس میں کافی واقفیت درج تھی میرے پاس بھی ایک کتاب تھی جس میں کافی حالات درج تھے- دو تین دن کافی کوشش کی ہے، مگر وُہ کتاب مِل نہیں رہی- اگر مِل گئی اور میرے رشتہ دار کے پاس سے بھی کتاب آگئی، تو آپ کو کافی واقفیت دے سکوں گا- لاہور سے ایک

ہفتہ وار اخبار "آساوڑا بنس سدھار" نکلا کرتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد وہ دہلی سے نکلنا شروع ہُوا تھا۔ کچھ دیر مَیں منگواتا بھی رہا ہُوں۔ مگر کافی دیر سے بند کروا دیا ہُوا ہے۔ اب پتہ نہیں وہ چھپتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ جب مَیں منگواتا تھا تب بھی وہ (کمی بِکری کے سبب) پندرہ دن کے بعد چھپنا شروع ہوگیا تھا۔

ایک آروڑہ بنس مُکھ سبھا لاہور کی بجائے دِہلی میں بنی تھی جس کے زیرِ سایہ وہ اخبار چھپتا تھا۔ مگر اُس اخبار یا مُکھ سبھا کا بھی اب میرے پاس ایڈریس نہیں ہے اخبار کا پُرانا پرچہ بھی اب میرے پاس نہیں مِل رہا۔ اصل میں لوگوں کا دھیان اَب اِن باتوں کی طرف سے ہٹ کر سیاست کی طرف بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ اِس لئے ایسی سوسائٹیاں چلنی مشکل ہو رہی ہیں۔

اُس کتاب (تارِیخ آروڑ بنس) میں جہاں تک میرا خیال ہے تقریباً ۱۲۵ ذات درج تھی۔ اِس وقت تو مجھے آپ کی لِکھی ذاتوں کے علاوہ صِرف چند ایک ہی یاد آرہی ہیں۔ مثلاً لانبہ۔ ٹُوٹیجہ۔ لوتھڑا۔ ککریجہ۔ انیجہ۔ چاولہ۔ ڈھینگرہ پسریجہ۔ ناگ پال۔ ڈانگ۔ مُنڈ۔ کھنڈ پور۔ کھورانہ۔ جوکھانہ۔ گلوترہ گلاٹی۔ نارنگ۔ ٹھکرال۔ چاننہ۔ گابا۔ میخندہ۔ درمانی وغیرہ۔

چونکہ کافی دیر اُس ہسٹری کو پڑھے ہوگئی ہے اس لئے کچھ اچھی طرح یاد نہیں آرہا وَیسے کچھ اِتنا یاد ہے، کہ ایک راجہ ارہٹ نام کا ہُوا ہے۔ اِور اس کی راجدھانی کا نام اُرہٹ آوران تھا۔ آوران سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ اور اس راجہ کی حکومت صُوبہ سرحد کے آس پاس تھی اُس وقت ہندوستان میں دشمنوں کے داخلہ کا راستہ زیادہ وہی تھا۔ اِس لیے

سب سے پہلے اُسے ہی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ روز روز کی جنگوں سے تنگ آکر بہت سے لوگ وہاں سے نکل پڑے۔ اور تقریباً دریاؤں کے ساتھ ساتھ ہی اِدھر آ گئے اور مختلف جگہوں پر آباد ہو گئے۔ اُرٹ آوُرمان کا لفظ بگڑ کر اروڑہ بن گیا۔ اور اروڑہ[1] ذات چل پڑی۔

وُہ راجہ کھتری ہی تھا۔ منوُ مہاراج کے اصوُل کے مطابق برہمن۔ کھتری ویش۔ شوُدر چار وَرن ہیں۔ اور ہماری گنتی کھتریوں میں ہوتی ہے۔ اور برہمنوں میں نہیں۔

ہر زمانہ میں حکوُمت۔ بیوپار۔ سیاست میں ہماری برادری کے لوگ باقی لوگوں کے ساتھ شانہ بشانہ ہی نہیں، بلکہ رَہبر بن کر بھی کام کرتے رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا، سر سکندر حیات خاں کے وقت بکری ٹیکس وغیرہ کے خلاف جو تحریک چلی تھی اُس وقت بیوپار منڈل کے پریذیڈنٹ لالہ بہاری لعل چانَنہ آروڑہ ہی تھے۔ وائس پریذیڈنٹ سردار سنتوکھ سنگھ بھی آروڑہ۔ لالہ کُندن لال بھی آروڑہ۔ لالہ کندن لال لانبہ جنرل سیکرٹری بھی آروڑہ تھے ڈاکٹر گوکل چند نارنگ[2] وزیر بھی آروڑہ۔ اس وقت پنجاب (ہندوستان) کے بڑے وزیر کامریڈ رام کشن آروڑہ ہیں۔ وزارت میں ایک اور وزیر شری پربودھ چندر بھی غالباً آروڑہ ہی ہیں۔

اِس وقت ہمارے یہاں تو بڑے بڑے شہروں میں آروڑہ کھتری کا

---

[1] آروڑا کی وجہ تسمیہ پر بحث آئندہ صفحات میں ملے گی۔

[2] لالہ ہرکشن لعل (خالد لطیف گابا کے والد) آروڑا تھے۔ جو وزیر بھی رہے ہیں۔ اور بنکوں اور انشورنس کمپنیوں جیسے بے شمار اداروں کے بانی مبانی اور کرتا دھرتا رہے ہیں۔

بیاہ شادی میں کوئی اِمتیاز نہیں رہا۔ قصبوں میں لوگ کچھ خیال کرتے ہیں۔ رِشتہ لینے یا دینے میں کوئی خیال نہیں کرتا کہ کھتری یا آروڑہ ہے۔

آروڑہ لفظ سنسکرت کا ہی ہے۔ جس کے معنی 'نہ رکاوٹ' اور 'خالص'۔ دو ہیں۔ روڑہ رکاوٹ کو کہتے ہیں اور 'آروڑہ' نہ رکاوٹ کو۔ یعنی رکاوٹ نہ بننے والا۔

۱۹۴۷ء میں جتنا نقصان آروڑہ برادری کا ہُوا ہے، اُتنا کسی کو نہیں ہُوا۔ اور یہ فخر کی بات ہے، کہ آروڑہ برادری میں کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آوے گا، جو مانگتا ہو، محنت مزدُوری جیسی بھی مل جائے کرے گا، مگر مانگے گا نہیں۔

اِس کی زندہ مثال ہم نے ۱۹۴۷ء میں دیکھی ہے۔ اگر پنجاب کی بجائے کسی اَور صُوبہ میں ایسا ہوتا تو ہندوستان بھک منگوں سے بھر جاتا۔ مگر چونکہ زیادہ تعداد میں پاکستان سے آروڑے ہی آئے اور انہوں نے آتے ہی محنت مزدُوری۔ کام جو بھی مِل گیا کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں ہی اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو گئے۔ جہاں تک میرا خیال ہے، پاکستان میں جو بھائی آپ کی برادری کے یہاں ہندوستان سے گئے ہیں انہوں نے مانگنا گناہ ہی سمجھا ہو گا۔ گو مذہب بدل گیا ہے، مگر اطوار نہیں بدلے اور میرے خیال میں پہلے بھی اور اب بھی آپ کی برادری مانگنا بُرا ہی سمجھتی ہو گی۔

ایک بار پھر عرض ہے کہ اگر وُہ کتاب مِل گئی، یا میرے پاس والی کتاب مِل گئی، یا مجھے اَور کسی جگہ سے کسی کتاب کی واقفیت مل گئی تو آپ کو ضرُور پتہ دُوں گا۔ کوشش کرُوں گا کہ اروڑبنس سبھا کا ایڈریس دہلی کا کہیں سے مِل جاوے۔ اگر مِل گیا، تو آپ کو لکھ دُوں گا۔ ان کے پاس سے آپ کو کافی واقفیت ہر قسم کی مِل سکے گی"۔

"آروڑا قوم کے

ماضی قریب پر روشنی"

اِس غرض سے حکیم راج روپ کی تصنیف

"تاریخ کھتریاں اروڑبنس"

سے

چند اِقتباسات شامل کر دینا،

مناسب معلوم ہوتا ہے

آروڑا قوم کی تواریخ اور رسائل

بحوالہ کتاب تاریخ کھتریان اروڑبنس

ص۷۸ پر درج ہے :-

" پہلے پنڈت موہن لعل صاحب شامی پوترا ساکن اُمرت سر مقیم خاص پاکپٹن نے اپنے خیال کے مطابق ایک کتاب موسوم بہ 'تواریخ اروڑبنس' تیار کرکے اور اس میں اپنے بزرگ گوسائیں سدھ بھوج کو پروہت آروڑبنس بنا کر' اور اُس کے دربارِ اسکندری میں اُترادھی - دکھنہ - ڈاہرہ کا فیصلہ ہونا لکھا ہے - اُور نیز اُور بھی بہت سی من گھڑت باتیں اُس میں لگادی ہیں - اور اس کتاب کو اس نے گورمکھی اور شاستری میں طبع کرایا - اور تمام آروڑبنس نے اس کی کافی سے بڑھ کر عزت کی - اُور نیز کرنیل سردار سہائے سنگھ سردار سُندر سنگھ صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ - اُور دِیوان سردار دیوا سنگھ صاحب بہادر پریذیڈنٹ کونسل ریاست پٹیالہ کے رُوبرُو جب پنڈت جی نے اپنی تاریخ کو پیش کیا، تو دیوان صاحب بہادر نے از راہِ ہمدردی و قدر شناسی کے پنڈت جی کو دربارِ پٹیالہ سے انعامِ فاخرہ دِلا کر ان کی عزّت اُفزائی کری - اور پنڈت جی تمام اروڑبنس میں مشہور ہو گئے -

رائے بہادر بابو گوکل منوچہ پلیڈر ساکن فیض آباد نے پنڈت موہن لعل سے اجازت لے کر ۱۸۸۳ء میں پنڈت موہن لعل کی تاریخ کا ترجمہ کیا اور تصیح و ترمیم بھی کی - لفظ آروڑہ کی تحقیق اور چھان بین بھی شامل کی -

پھر مقام فیض آباد بہ موقع دسہرہ سال ۱۹۳۹ مطابق اکتوبر ۱۸۸۲ء ایک پرچہ قومی موسومہ رسالہ آروڑ بنس پرکاش ماہواری جاری فرمایا۔ جو ۱۸۸۷ء میں بند ہوا۔ بعد ازاں یہی رسالہ ۱۸۸۸ء میں لالہ دیا رام عاکف قوم آروڑہ ذات مکڑہ ساکن کوٹ پنڈی داس تحصیل شرقپور ضلع لاہور نے جاری کیا۔

پھر لالہ سالگرام صاحب مینیجر مطبع آروڑ بنس پرکاش امرت سر نے رسالہ جاری رکھا۔ آروڑ بنس گزٹ امرت سر عرصہ تک جاری رہا۔ جو کہ حکیم نرائن داس خلف لالہ دولت رام آہوجہ نے ۱۹۰۴ء میں جاری کیا تھا۔ اب تک جاری ہے۔

. . . .

. . . .

ص۷۹ دوبارہ عاکف صاحب کی کوشش سے لوگ جاگ پڑے، اور کام شروع ہو گیا۔ اور رسالہ نے بھی خوب نمایاں ترقی کی۔ رسومات قبیحہ بھی ملک سے مع بیخ و بن کے اکھڑ گئیں۔ چند سال تک اس شخص نے اس کام کو خوب نبھایا۔ گو برادری نے مفت رسالہ لئے۔ سال سال، دو دو چار چار سال کا چندہ ہضم کر گئے۔ رسالہ خسارہ میں پڑ گیا۔ . . . .

. . . .

اِصلاحِ قوم کے سِلسلہ میں جلسے

بحوالہ تاریخِ کھتریانِ اروڑ بنس ص۷۳

برادری کا جلسہ جو بمقام قصور سن ۱۹۲۸ میں ہُوا، اس میں لالہ چوہڑ مل کھترپال موتی لال مدان۔ اروڑ مل ڈھینگرہ۔ مَیّا مل کٹاریہ۔ گنڈا رام چاولہ۔ کشن سنگھ چاولہ ساکن قصور خاص اور مہتاب مل چاولہ۔ سائیں دِتہ مل ریوڑی ساکن دلوٹہا اور رتنا مل مکڑ ساکن بِدیرم اور گنیشا مل۔ دِتا مل نارنگ۔ ناماں مل کوچڑ۔ بھگو مل چاولہ وغیرہ ساکنانِ کُھڈیاں۔ اروڑہ مل ساکن ڈھولن۔ لالہ بولاقی مل پوپلی۔ میوہ مل چاولہ ساکن موکل لالہ باگا مل۔ دیویدتا مل سوہڑا ساکن کنگن پور شریکِ جلسہ ہوئے۔ برادری فیروزپور اور چونیاں نے شمولیت سے اِنکار کر دیا۔ چند ایک ساک بھی اس دور دَور میں برادری نے جو کہ پہلے باہری درجہ میں ساک دیتے تھے۔ اس عادت کو ترک کر کے بونجاہی درجہ میں ساک کر دئے۔ جیسا کہ ہر دو دُختران لالہ کاہنا مل کھترپال کا ناطہ اقوامِ مکڑ کے گھر میں اور لالہ گھمنڈی لال کھترپال کی دُختر کا اقوامِ ریوڑی کے گھر میں۔ لالہ میشا مل چاولہ ساکن گنجہ کلاں کی دُختر کا ساک لالہ گھمنڈی مل کھترپال کو۔ اور خوشحالی رام چاننہ کا ساک اقوامِ کھربندہ ڈھولن کے گھر میں ہُوا۔ اور بھی چند ایک ساک اِس جلسہ میں ہو گئے۔ اور برادری کے چند آدمی نے دیہات میں دَورہ کر کے برادری بونجاہی کو اس تجویز سے آگاہ کیا۔ اور ہر ایک معزز آدمی

برادری کے اپنی تجاویز پر دستخط کرائے۔ مگر مُدّتِ دراز تک اس کی گڑبڑ ہوتی رہی۔ جہاں پر کوئی آدمی خلافِ قاعدہ برادری کے باہری ردیف میں ساک کرتا، یا متوسط درجہ کے اُس آدمی کو جوکہ برادری کے اصُول کے برعکس اور مخالف ہے تو جھٹ برادری اُس کے خلاف نوٹس لیتی۔ اِس ردّ و بدل میں کئی ساک ہو کر ٹوٹ گئے۔ . . . .

. . . .

صہ۷۵ پھر دُوسرا جلسہ قصُور میں ۱۱ ہاڑہ سمہ۱۹۵۷ کو مقرر ہوا۔ . . . .

. . . .

پھر تیسرا جلسہ مقام کھُڈیاں ہُوا۔

صہ۷۸، صہ۷۹ پر ہے :-

رائے صاحب (فخرِ قوم رائے بہادر بابُو لکھوبل صاحب) نے ۱۵۔ اکتوبر سنہ۱۸۸۴ء میں فیض آباد سے روانہ ہوکر مُلک پنجاب کا دَورہ کیا۔ اور لاہور میں تشریف لائے۔ اور ۳۰۔ تاریخ کو برادری کا عام جلسہ کر کے آروڑ بنس کی بد رسُومات کا قلع قمع کیا۔ پھر گوجرانوالہ میں پہنچ کر تمام برادری اکال گڈھ۔ ایمن آباد۔ وزیر آباد رام نگر۔ پنڈی بھٹیاں۔ قلعہ مُرادبخش۔ کوٹ نکانٹ۔ بھوپال والا۔ قلعہ دیدار سنگھ سوہدرہ۔ میانوالہ۔ اگوکے۔ گوندلانوالہ۔ دردیشکے۔ بیگووال کی برادری کے جمع ہونے سے بڑا بھاری جلسہ ہوا۔ . . . .

پھر ۲۔ نومبر سنہ۱۸۸۴ء کو لاہور میں واپس آکر دوسرا جلسہ کیا۔

۳۔ نومبر سنہ۱۸۸۴ء کو اَمرت سر پہنچ کر برادری کا جلسہ کیا۔ اور لیکچر دل

سے برادری کو انند کر دیا۔ ....

اور رائے بہادر فخرِ قوم ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۸۵ء گویا اگلے سال پھر گھر سے نکل پڑے اور وُہ واقعہ ۱۳۔ تاریخ مقام فیروزپور۔ ۱۶۔ کو گوجرانوالہ۔ ۱۷۔ وزیر آباد۔ ۱۸۔ کو جہلم۔ ۱۹۔ کو راولپنڈی۔ پھر ۲۰۔ کو ایمن آباد ۲۱۔ کو اُمرت سر پہنچ کر بڑے بڑے جلسے کیئے۔ اور برادری کے لوگوں کو ہدائتیں کیں۔ ہر ایک جگہ برادری کی طرف سے آر وڑ بنس سبھا قائم ہوگئیں۔

(حاشیہ متعلقہ صہ ۱۰۱)

سَر ڈینزل اِبٹ سن نے اپنی کتاب پنجاب کاسٹس میں مندرجہ ذیل صفحات پہ آروڑہ اور کھتری اقوام کو زراعت پیشہ شمار کیا گیا ہے۔

خوجہ بحیثیت راجپوت صہ ۱۵۹، صہ ۱۶۰

آروڑہ بحیثیت زمیندار صہ ۱۶۶، صہ ۱۷۸

کھتری بحیثیت زمیندار صہ ۱۲۸، صہ ۱۳۰

آروڑا قوم

کس کس کے ہاتھوں نالاں رہی؟

صـ۶۸ پر ہے :- اس زمانہ میں یہ لوگ صرف دُکاندار، اور مہاجن ہی رہ گئے ہیں۔ تمام حقوق ان کے گورنمنٹ (انگلشیہ) کی کرپا سے چھن گئے ہیں۔ گورنمنٹ کے نئے قانون کی رُو سے اَب اعلیٰ تعلیم۔ سول سروس اور ملٹری فوج کی ملازمت، اور نمبردار، ذیلدار، سفید پوش ہونا ان کے لئے قطعی بند کیا گیا ہے۔ گویا کھشتری اور چھتری دھرم ان کا گورنمنٹ نے ملیا میٹ کر دیا ہے۔ کچھ برہمنوں نے ان کا ستیاناس کیا۔ باقی اسلامی بادشاہوں نے ان کو بے قدر اور ذلیل کر دیا۔ اور گورُو گوبند سنگھ کی فرقہ بندی سے ان میں تفرقہ پڑ گیا۔

صـ۶۳ :-

اسی قدیمی عادت کے موافق برہمن لوگ ہمارے اُوپر ایک تازہ بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور ہماری عزت اور پرمارتھ کے دشمن ہمیشہ بُرائی میں کوشاں رہتے ہیں۔

(نوٹ) آغوشِ اسلام کے باب میں، برہمنوں کے کردار پر مشتمل مزید اقتباسات دیکھے جائیں۔

سکھوں کی حکومت میں
کشتری آروڑہ گورنر اور فوجی جرنیل

صد ۶۷ پر ہے :- ملک ڈیرہ جات میں دیوان محکم چند اور صوبہ ملتان میں دیوان ساون مل مولراج - نواح پاکپٹن اور اس کے آر پار دیوان گومانی لال ملک پشاور - درہ خیبر - ہوتی مردان وغیرہ دشوار گزار درہ میں سردار ہری سنگھ نے وہ کارِ نمایاں دکھلائے ، کہ آج تک لوگ ان سے ڈرتے ہیں - اور ریاست پٹیالہ میں دیوان سر سردار دیوا سنگھ پریذیڈنٹ کونسل - اور سرکارِ انگلشیہ کے عہدِ حکومت میں رائے بہادر منشی لچھمن داس صاحب پوپلی ڈسٹرکٹ جج بہادر - رائے دسوندھی رام صاحب ڈسٹرکٹ جج - رائے کیشو رام صاحب ڈسٹرکٹ جج - آنریبل لالہ ہرکشن لعل صاحب . . . لالہ گاگرمل صاحب وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی امرت سر . . . . . . اور رائے تلوک چند صاحب سب ڈویژنل افسر قصور - اور رائے بہادر ٹکن لال صاحب ڈسٹرکٹ جج بہادر رائے بہادر دیوان ٹیک چند صاحب ڈپٹی کمشنر لدھیانہ - رائے موتی لال صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر - اور رائے گنگا رام صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ وزیر ریاست پونچھ وغیرہ اور بھی ہزاروں آدمی معزز عہدوں پہ ممتاز ہیں - اگر سب کا نام درج کیا جاوے تو بہت طوالت کا اندیشہ ہے . . . . گورنمنٹ آف انڈیا سے غلطی ہوئی ہے کہ جن لوگوں نے سرکارِ انگریزی کو دھوکا دیا اور ہیری پھیری کی ان کو گورنمنٹ نے اپنا معتمد خیال کر لیا ان کو معزز عہدے عطا کئے اور مساوی اور شاہانہ نظر میں ڈال لیا - محمدی لوگ - زمیندار جاٹ ارائیں - کمبو - راجپوت ذی اعتبار شمار کئے گئے -

ذات گوت، یا قبیلے

(بالوضاحت)

ہندو اقوام کی تاریخ میں شک و شبہ سے بالا اگر کوئی ٹھوس حقیقت ہے، تو وہ ان کی ذات گوت ہے۔ جس سے ان کے اصلی حسب نسب کا پتہ چلتا ہے۔ آریائی اقوام کی صورت میں یہ حقیقت اور بھی زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں ذات گوت کی یادداشت صدیوں سے بڑی سختی کے ساتھ محفوظ رکھی گئی ہے۔ یہ اصحاب اپنے جانے پہچانے حلقہ سے باہر رشتہ ناطہ کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں رکھتے۔

گوترا۔ گوت۔ گوتیا۔ جات۔ ذات اور جاتی ابتداءً ایک ہی لفظ کی مختلف ہم معنی اشکال ہیں۔ آپ کو ہندی۔ سنسکرت کے بے شمار الفاظ ایسے مل سکتے ہیں جن میں لفظ کے آخری حصہ سے الف یا ر یا ی کو حذف کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ گوترا سے گوتر اور گوتر سے گوت۔ حذف کرنے کے اسی قاعدہ سے بن گیا ہے۔

اسی طرح گ اور ج کی آوازیں باہم بدل جانے کی بھی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا گوت سے جات بن جانا ناممکن نہیں اور جات کی جیم کا ذ سے بدل کر ذات ہو جانا کوئی اچنبھا نہیں۔ کیونکہ ز۔ ذ۔ ض۔ ظ کے لئے ہندی سنسکرت اور پنجابی میں سوائے ج کی آواز کے اور کوئی امتیازی آواز موجود نہیں ہے۔

عربی میں لفظ ذات کے علاوہ گوت یا گوترا کے بالکل مترادف، اور مستعمل لفظ "قَبِیلَہ" ہے۔

لالہ کُندن لال کے مکتُوب میں آروڑوں کی صرف چند گوتوں کا ذِکر آیا تھا جب کہ تاریخ آروڑ بنس میں ان کی ایک خاصی طویل فہرست پائی جاتی ہے۔ جس کو نقل کرنے سے پیشتر میں یہ بتانا چاہتا ہُوں، کہ یہ گوتیں اتنی قدیمی ہیں کہ سنسکرت زبان بھی اتنی پُرانی نہیں۔ آرین لوگ گوتیں وسط ایشیا سے ساتھ لے کر آئے تھے جب کہ سنسکرت زبان انہوں نے یہاں آکر بنائی تھی۔ منُو کی ذات پات کی تقسیم بھی بعد کی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ گوتیں ایسی ملتی ہیں جو برہمنوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور کشتریوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یا دیشوں میں بھی ہوتی ہیں، اور پھر وہی کشتریوں میں بھی موجُود ہوتی ہیں۔ بلکہ شوُدروں کی بعض گوتیں دُوسرے ورنوں میں دیکھنے میں آجاتی ہیں۔ کسی ایک گوت کا بیک وقت مختلف ورنوں میں پایا جانا اِس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے، کہ گوتیں اور ذاتیں منُو کی ذات پات کی تقسیم سے پہلے معرضِ وجُود میں آچکی تھیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کے باعث اگر ایک ہی ذات کے کچھ افراد کا شمار برہمنوں میں ہو گیا، تو اُسی ذات کے دُوسرے لوگوں کو جنہوں نے فوجی زندگی پسند کر لی کشتری کا رُتبہ دے دیا گیا۔ اور اُسی ذات کے کھیتی باڑی یا تجارت کرنے والے اصحاب ویش گردانے گئے۔

ورن بدلنے والے آج تک اِسی ایک توارد کے سہارے ورن بدلتے رہے ہیں۔ اُن کے پاس یہ ایک قاطع بُرہان تھی کہ چُونکہ ہماری ذات برہمنوں کی ذات سے ملتی ہے، لہٰذا ہم برہمن ہیں۔ یا ہماری ذات تو کھشتریوں کی ذات ہے اِس لئے ہمیں کھشتری راجپُوت تسلیم کیا جائے۔

حکیم راج رُوپ نے ایسی ذاتوں کی فہرستیں دی ہیں جو ایک سے زیادہ

ورنوں میں پائی جاتی ہیں۔ البتہ حکیم صاحب موصوف نے گوتوں کے معنوں کی تشریح کرتے ہوئے سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گوتوں کا مضحکہ اُڑا رہے ہیں۔

مثلاً دھینگڑا کی تشریح میں کہتے ہیں، کہ ان کے بڑے دھینگا زوری سے کام لیتے ہوں گے۔

بھوسری کی تشریح ہے کہ یہ بھسری (میٹھی روٹی) کے شائق ہوں گے۔ یا بھوسہ فروشی کرتے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے، کہ اگر آرین زبان کی لغات میسّر آسکے، تو سب نہیں تو اکثر گوتوں کے اصل معانی یا وجہ تسمیہ دستیاب ہوجانے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ تاہم جو نام آرین زبان سے سنسکرت میں، اور سنسکرت سے ہندی اور پنجابی میں منتقل ہوتے ہوئے اپنی اشکال کو بُری طرح نہیں بگاڑ چکے، ان سے کچھ مفہوم مترشح ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں گے کہ فہرست میں متعدد گوتوں کے نام کا آخری حصّہ 'جے' ہے۔ یہ 'جے' یا جا ہندی میں 'جایا' یعنی اولاد کے معنی رکھتا ہے۔ جب کہ فارسی میں اِنہی معنوں میں 'زا' مستعمل ہے۔ جیسے میرزا۔ اور افغانوں میں نیازی یا کے زئی کا 'زئی' بالکل یہی مفہوم رکھتا ہے۔ تو گویا یہ 'جے' والی گوتیں ظاہر کرتی ہیں کہ کون کس کی اولاد میں سے ہے۔

بعض گوتیں پیشہ کی نشان دہی کرتی ہیں۔

بعض کسی مذہبی رہبر یا دیوتا سے تعلق نمایاں کرتی ہیں۔

بعض کسی اچھی یا بُری عادت یا کسی اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

بعض کسی خاص علاقہ یا شہر سے نسبت کا اظہار کرتی ہیں۔

بعض کا تلفظ کثرتِ استعمال سے، یا امتدادِ زمانہ کے باعث، یا مختلف علاقوں کے لب ولہجہ کے فرق کی وجہ سے اِتنا بگڑ چکا ہے، کہ نیا نام بن گیا ہے۔ یا ایک ہی گوت کے باہم ملتے جلتے ایک سے زیادہ نام ہو گئے ہیں۔

بعض ناموں کی شکل وصُورت مخالفین نے حقارت اور انتقام کے جذبات کے ماتحت طنزاً یا مزاحاً بدل کے رکھ دی ہے۔

بعض ناموں کو اِسلامی رنگ میں رنگا گیا ہے۔ جیسے کھر بندے سے خدا بندے، اور سپدیو سے سجدے وغیرہ۔

اگرچہ یہ ذات بندی قدیمی، مستقل اور دائمی ہے۔ تاہم اِس کی فہرست میں کبھی کبھار نئے نام بھی اُبھرتے رہتے ہیں، جو زیادہ دیر گزرنے سے پہلے عارضی ثابت ہوکر ختم ہو جاتے ہیں۔ صدہا سال میں شاید ہی کوئی دو چار نئی گوتیں بن کر چل سکی ہوں۔ اُیسی عارضی گوت عوام میں 'اَلّ' کہلاتی ہے۔

'اَلّ'، کے متعلق معلوم رہے، کہ یہ 'المعرُوف' کا مخفف ہے۔ شاید آپ کو کبھی کسی کتاب میں 'اَلنامہ' دیکھنے کا اِتفاق ہوا ہو۔

گوت بندی کی نسبت سر ڈینزل ابٹ سَن۔ پنجاب کاسٹس کے صفحہ ۱۸۔ ۲۰ اور ۲۱ پر یُوں روشنی ڈالتے ہیں :-

صہ ۱۸ :- برہمنوں، کھتریوں اور آروڑوں کی ذاتیں (گوتیں) بے شمار ہیں۔ اُور چونکہ ان ذاتوں کے نام کسی مقام یا خاص علاقہ سے منسوب نہیں اِس لئے یہ ذاتیں زمینداروں کی گوتوں کے مقابلہ میں زیادہ حقیقی ہیں۔ کیونکہ زمینداروں کی گوتوں

کے نام علاقوں سے منسوب ہوتے ہیں۔

صنہ ۲ :۔ کھتری اور آروڑوں میں یہ گوت بندی حدِ تیقّن تک ایسی ہے کہ حسب نسب کے واحد ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔ یا کم از کم کوئی خاص تعلق یا لگاؤ ایسا ظاہر کرتی ہے، جو ایک ہی گوت کے افراد کے آباء و اجداد میں گوت بندی کے ابتدائی ایام میں پایا جاتا تھا۔

صنہ ۲۱ :۔ کھیتی باڑی کا کام کرنے والے ہندوؤں کی اکثریت اِتنا بھی نہیں جانتی کہ ان کی کوئی ذات ہے۔ مگر بنیا، کھتری اور آروڑا جیسے کٹّڑ ہندو، اپنی ذات گوت کو خوب پہچانتے ہیں۔

صنہ ۲۴۸ (پنجاب کاسٹس)

بنجاہی۔ سرین۔ باہری اور کھوکھران نامی چار گروہوں کی تشکیل کی ابتدا ہونا اِس طرح سے بیان کی جاتی ہے کہ علاؤ الدّین خلجی نے کھتریوں میں شادی بیوگان کا قانون نافذ کرنا چاہا تھا۔ مغرب کے کھتریوں نے اِس بدعت کو روکنا چاہا۔ اور اپنے موقف کو پیش کرنے کے لئے باون نمائندوں پر مشتمل ایک وفد شاہی دربار میں بھیجا۔ مگر مشرق کے کھتری محضر نامہ پر دستخط کرنے سے ڈر گئے۔ لہٰذا ان کو سرین (شرع آیئن یعنی اسلامی قانون کو ماننے والے) کا نام دے دیا گیا۔

اور محضر نامہ پیش کرنے والوں کو، ان کی تعداد، اور ان ذاتوں کی تعداد کی وجہ سے جن کی وہ نمائندگی کر رہے تھے بنجاہی کہا گیا۔

معلوم رہے کہ وفد کے ارکان تعداد میں باون ۵۲ یا بہ الفاظِ پنجابی بونجا تھے۔

صـ ۲۴۸ پنجاب کاسٹس

کھوکھران کے گروہ کی بابت کہا جاتا ہے، کہ یہ ان کھتریوں کی اولاد ہیں جنہوں نے بغاوت میں کھوکھر قوم کا ساتھ دیا تھا۔ اور جن کے ساتھ رشتہ ناطہ کرنے سے دوسرے کھتری خاندان کتراتے تھے۔

صـ ۲۵۰ :- باہری گروہ۔ یعنی مہر چند۔ کھان چند اور کپور چند اُن تین کھتریوں کا شجرہ نسب جو اکبر کی راجپوت رانیوں میں سے ایک کے حضورِ دہلی جانے کے باعث اپنی باقی قوم سے کٹ گئے تھے۔ صرف آپس میں ہی رشتہ ناطہ کرتے تھے۔

مگر یہ حکایات ہی ہیں۔ کیونکہ مغربی میدانوں کے برہمنوں میں بھی باہری اور بنجاہی پائے جاتے ہیں۔

فہرست اُترادھی، باہری، اَور بنجاہی گوتوں کی!

صـ ۱۰۳ تا صـ ۱۶۸

الف :- ادپاویجے۔ اچھ پوجانی یا اچھ پرانی۔ آہوجے۔ ایلاں وادیئے یا الہ آبادیئے۔ ابھٹ۔

ب :- بُبرہ۔ بترے۔ بزانہ یا بجاج۔ بھیہڑ یا وَیہڑ یا بھل بلوجے۔ بھوسری۔ بودھ راجیٹے۔

پ :- پروتھی۔ پوپلی یا پوپلے۔ پسرتیجے۔ پھوٹیلے۔

ت :- تنیجے۔ تکرط۔

ٹ :- ٹھکرال۔

ج چ :- جھانبہ۔ چاولے۔ چھابڑے۔ جُگھ۔ چھوکرے۔

ڈ :- دھینگڑے ۔ ڈھون ۔ دوٹے ۔ دہوجے ۔

ر :- ریوڑی

س ش :- سچدیو یا سجدے ۔ سلوجے ۔ سنگھوٹیئے ۔ سوڈھی ۔ سیتیئے

سیٹھی ۔ شیکری ۔

ک :- کالڑے ۔ کٹاریئے ۔ کن توڑ ۔ کوچر ۔ کوکڑیجے ۔ کھربندے

کھٹر ۔ کھرتتے ۔ کھورانے ۔ کھنڈ پوریئے ۔ کھیترپال ۔

گ :- گابے ۔ گاندھی ۔ گوگلانی ۔ گکھڑ ۔ گھلاٹیہ ۔ گوریجے ۔ گنڈ

گھار یا کمار ۔ گوڈو واڑے ۔ گلوترے یا گھروترے ۔

ل :- لاکھے یا لاکھڑے ۔ لوکھڑے ۔

م :- مانگ ٹھلے ۔ مدان ۔ مکڑ ۔ مروترے ۔ مکھیجے ۔ منگلانی

مینحندے ۔ منوچے یا ونوچے ۔ مونگے ۔

ن :- نارگ ۔ نروے ۔

و :- وکھاونے ۔ ورمانی ۔ ودھوے ۔

دُوسری فہرست
جس میں دکھنے اور ڈاہرے کی گوتیں ہیں

ص ۱۶۹ تا ص ۲۱۱

الف :- اٹھریجے - اجمانے - اسیجے - آنند - اینیجے - اسرانی
اکالی - انگی - اوکھلے - اوترریتے - اوبھیڑے
ادھ بیکھی - ایرٹے - اندھ نانی - استاداد یئے -

ب :- بگے - بانکے - بگاہی - بے راجے - بٹھالے - بریجے
بلّے - بلاسنے - باویجے - بائیلے - بلندی - بوٹی - بھیڑ
بھٹیجے - بھگتانی - بھرانی - بھڈانی - بھوٹیانی - بھودھانی
بھوری - بھولانی - بھگڑی - بھوڈی یا بھڈی -

پ :- پینیجے - پڈبے - پنج منے - پونچھی - پھوجے - پیلاپنے یا
پیلاپنوادیئے - پنج نندے یا پنج ندے - پن سیجے - پوجاری
پن ہانی - پُورتے - پل پیجے - پاہوے -

ت :- تینیجے - تانگرٹے - تلوجے - تینے - تریکے یا طریقے
ترونی - تہری - تیتلانی - تھریجے -

ٹ :- ٹویجے - ٹھکر - ٹھکرال - ٹھٹھی یا ٹھٹھے - ٹھٹاتی -

ج :- جگیے - جلائے - جسوجے - جنڈوانی - جادے - جانجی کھیل یا
جانجی خیل - جاکن - جندآنی - جینی سے سنگھنی - جوکھادنے

جو نیجے یا جلنیجے ۔ جوکھ نیجے ۔

چ :۔ چلائے ۔ چگتی ۔ چرائے پوترے ۔ چت کاریئے ۔ چلانے ۔
پچچڑی ۔ چولڑے ۔ چوچرے ۔ چوٹیار ۔ چوٹ مرادیئے
چوٹی پٹ ۔ چوٹیانی ۔ چرائے ۔ چھوڈے ۔

د :۔ درگہن ۔ دسوال ۔ داوڑے ۔ دوپے ۔ دومڑے ۔ درج
دابڑے ۔ دھنگاتے ۔ دھوڈرے ۔ دھرے بڑے ۔ دھون
دھرمرے ۔ دھاونے ۔ ڈھوڑیئے ۔

ڈ :۔ ڈڈی ۔ ڈنگ ۔ ڈابے ۔ ڈانگری ۔ ڈڈیجے ۔ ڈوڈے
ڈانڈے ۔

ر :۔ ربیجے ۔ رکھیجے ۔ رسیوٹ ۔ رنگ بوہلے ۔ رادل ۔ راجپال ۔ رام گڑھئے
راجانی ۔ راجاوے یا رازادے ۔ ریحانے ۔ رکھائے ۔ ریلن یا ریلے یا
ریلی ۔ رتوے یا رتڑے ۔

س :۔ سندھورے ۔ سگائی ۔ سٹھ کھیرے ۔ سپڑے ۔ سیتیئے ۔ سندھوجے
ش سڈانے یا سدھانے ۔ سدھوانی ۔ سنگھی یا سنگی ۔ سکے ۔ سیکیجے یا
سوکھیجے ۔ سونی ۔ شکر سودھے ۔ شوری یا سوری ۔

ک :۔ کمھورے ۔ قندھاری ۔ کمبیرے ۔ کواٹڑے ۔ کیترے ۔ کروندڑے
کنسڑے ۔ ککرانی ۔ کرنے ۔ کرڑ ۔ کمڑلے ۔ کبے ۔ کل پلیجے
کوکرٹ ۔ ککرڑ ۔ کمرے ۔ کاٹھ پال ۔ کپور ۔ کھاری ۔ کھرباٹ یا
کھیرباٹ یا کھیر بھات ۔ کھریجی ۔ کھکھران ۔ کھنگر ۔ کھیڑا یا کھیڑے ۔

گ :- گبرانی - گگے - گنگ نیجے - گنڈ - گمبیر یا گمبھیرے - گاڈی - گاوڑی گاندھی - گاڈی خیل - گلانی - گدڑ - گل بھدر - گل کانی - گگ دانی - گگلانی - گوٹ - گلاری - گگرنیجے - گوروترے - گورچڈھے - گیرے گوگئے - گوگیئے - گونبر - گمبر - گور یا گوڑ - گھیک - گوری - گھیئے -

ل :- لکرڑے - لیکھے - لنگیائے - لونڈ یا لُنڈ - للّے - لوپال - لوٹے لیلے - لومبے -

م :- مکانی - مکرنے - منگوانے - مچھر - ماون پوترے - ماٹے مڈھے یا میڈ - مٹھڑے - مرگ - موٹ نیجے - موکھلے منڈے - مرادئے - مجرال یا مجال - مہندی رتے - موگلے - مولی وارے موجھال یا موہیال - موکیجے - مرکن -

ن :- ناگپال - ناسوا - تانگئے - نانگے - نچانے - نگرانے - نندوانے

و :- وڈھیرے یا وڈیرے - ویکیجے - وترانے - ودیانی - واسیدیو ویہو کھاونے - وج - وڈھ کھاونے - ویڈ - ودھون -

ہ :- ہنس - ہیتیجے - ھضرتی - ہندوجے - ہوڑے - ہرنیجے ہودیانی - [1]

---

[1] مندرجہ ذیل ذاتیں ان دونوں فہرستوں میں درج نہ ہونے کی وجہ معلوم نہیں کیا ہے؟

چانتے - ہندوؤں میں بھی موجود ہیں، اور خواجگانِ نارووالی میں بھی موجود ہیں -

لانبے - جو لالہ کندن لال کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں موجود ہیں -

ڈگریجے - جو خواجگانِ نارووال میں موجود ہیں - مگوں - برہمنوں کی ایک ذات بحوالہ لغات

بنبل - وھرہ - بھڑاڑچ - منوں - سہگل ؞

آروڑا قوم کی ایک پُرانی رِیت

دستور ہے، کہ رِشتہ ناطہ کرتے وقت آدمی اپنے جوڑ کو ترجیح دیتا ہے۔ تعلیم یافتہ اہلِ علم کو پسند رکھتا ہے، تو ملازمت پیشہ ملازمت پیشہ کو۔ سرمایہ دار کی نگاہ اگر سرمایہ دار پر جا کر تسکین پاتی ہے، تو غریب کی دستگیری کے لیئے کوئی غریب ہی آگے آتا ہے۔ ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

آروڑا حضرات میں جب اِس کُلیہ قاعدہ پر عمل ہوتا رہا ہے۔ تو جس کے ساتھ تعلقات قائم اور استوار کیے جاویں اُس کے سوا باقی سب اعزّہ و اَقربا کو لاتعلّقی کی حد تک نظر انداز کر دینے کی روایت رہی ہے۔ علاوہ ازیں ذرا ذرا سی بات پر اختلافِ رائے بھی لاتعلّقی یا قطع تعلّقی پر ہی منتج ہوتا رہا ہے۔ جس کے باعث آئے دن نئی سے نئی گروہ بندیاں وجُود میں آتی رہی ہیں۔ چنانچہ ماضی میں ایک موقع پر چار قبیلوں نے باہم رشتہ ناطہ کرنے کا عہد و پیمان کیا تو وہ چارذاتی کہلائے۔ ایک وقت چھ ذاتوں نے یہی پیمان باندھ کر اپنے گروہ کا نام چھ ذاتی رکھا۔ ایک دُوسرے موقع پر بارہ قبیلوں نے باہم گٹھ جوڑ کیا، تو انہیں بارہری کا نام دیا گیا۔ ایک زمانہ میں باون ذاتوں کے باہم مُتحد ہونے کا اِتّفاق ہوگیا تو انہیں باونجے یا بنجاہی کے لقب سے یاد کیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت اَیسا بھی آیا کہ ایک گروہ نے اپنے دائرۂ علائق کو دو سالم اور ایک آدھے قبیلہ

کے اندر محدود کر لیا۔ لہٰذا اُن کا اِمتیاز ڈھائی گھرے قرار پا گیا[1]

راقم کے خیال میں کھتریوں آروڑوں اور قانونگوئی حضرات کے مابین تفریق کچھ ایسے ہی عوامل کے ماتحت عمل میں آئی ہوئی ہے۔ ورنہ اصل میں تینوں ایک ہیں

کھتری قوم کی ذاتیں

(پنجاب کاسٹس ص۲۴۸ سے ترجمہ)

کھتریوں کی ذاتوں کا سوال نہایت ہی پیچیدہ ہے۔ حال ہی میں معاشی درجہ بندی کا ایک ایسا سِلسلہ چلا ہے، کہ جس کی رُو سے بعض کھتری خاندان اپنے حلیف اور گنتی کے مخصوص خاندانوں کے سوا کسی خاندان سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے۔ اور اِس طرح جو اِمتیاز قائم ہُوا ہے، وُہ نئے ناموں کا ایک مجموعہ بن گیا ہے۔ جیسے کہ 'ڈھائی گھر' وُہ جو صِرف دو سالم اور ایک آدھے قبیلہ میں شادیاں روا رکھتے ہیں۔ 'چار ذاتی' وُہ جو صِرف چار (مخصُوص) کُنبوں میں شادیاں کرتے ہیں۔ 'چھ ذاتی' وُہ جو چھ (مخصُوص) خاندانوں میں شادیاں کر سکتے ہیں وعلیٰ ہٰذ القیاس۔

اِس محض بناوٹی اور معاشی درجہ بندی نے قوم کی قدیمی گوت بندی کو اوجھل کر دیا ہے۔

---

[1] ایسی گروہ بندیوں کی نسبت پنجاب کاسٹس میں بھی قدرے روشنی ڈالی گئی ہے۔

وجہ تسمیہ کی بحث

سر ڈینزل ابٹسن نے اپنی کتاب موسومہ پنجاب کاسٹس میں جو ۱۸۸۳ء میں لکھی گئی تھی۔ لفظ آروڑہ کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں دو روائیتیں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ، کہ :-

یہ لوگ قدیم سندھ کے دار الخلافہ "اروڑ"[1] کے باشندے ہیں۔ اس لئے ان کو آروڑے کہا جاتا ہے۔ آروڑ کے کھنڈرات پر آج کل روہڑی آباد ہے۔ جو لاہور کراچی ریلوے لائن پر مشہور سٹیشن ہے۔

اور دوسری روایت یہ لکھی ہے۔ کہ :-

کھتریوں کے خلاف اٹھائے ہوئے پرشرام[2] کے فتنہ کے ایام میں یہ لوگ کھتری کہلانے سے منحرف ہو گئے تھے۔ اور یہ کہہ کر اپنی جان بچالی تھی کہ ہم

---

[1] تاریخ پاک وہند مرتبہ سید عبدالقادر ایم اے۔ فتوح البلدان البلاذری۔ اور محمد بن قاسمؒ مصنفہ جنرل محمد اکبر خاں تینوں کتابوں میں یہ شہر مندرج ہیں اروڑ یا الروڑ۔ راوڑ یگروڑ اور کھروڑ موجود ہے۔ اروڑ، سندھ کا دار الخلافہ اور تجارتی مرکز تھا۔ سمندر سے اس شہر تک دریائے سندھ میں کشتیاں چلتی تھیں۔

[2] پرشرام۔ کلہاڑے والا رام۔ ایک برہمن جمدگنی کا فرزند۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے کھتریوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ مارے خوف کے کھتری ادھر ادھر فرار کر گئے تھے اور رو پوش تھے۔ جو کوئی اس کے ہتھے چڑھ جاتا اس کا قلع قمع کر دیتا۔ تاہم بعض یہ غلط بیانی کر کے، کہ "ہم کھتری نہیں اور ہیں"۔ اس سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہو گئے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

"اَوَر" ہیں۔ بعد میں یہی "اَور" ان کی ذات ہو گئی۔ جو بگڑ کر "اَروڑہ" بنی۔

مسٹر اِبٹ سن نے پہلی روایت کو زیادہ معتبر قرار دیا ہے۔ اور نظیر پیش کی ہے، کہ جس طرح لاہور کے کھتری لاہوری اور ملتان کے ملتانی کھتری کہلاتے ہیں۔ بعیدنہ قرینِ قیاس ہے کہ "اروڑ" کے کھتریوں کو آروڑے کھتری کہا گیا ہو[2]

حکیم راج رُوپ نے اپنی کتاب موسُومہ "تارِیخ کھتریان آروڑ بنس" میں مندرجہ بالا دونوں روائتیں بھی تحریر کی ہیں، اور تیسری ایک یہ بیان کی ہے کہ آراٹ نامی ایک راجہ ہوا ہے۔ جس کی مناسبت سے اِس قوم کو آروڑہ کہا گیا ہے۔ اور خود ہی اس روایت کو قبُول نہیں کیا۔ لہٰذا اس پہ کوئی تبصرہ کرنا فضُول ہے۔ اَلبتّہ وُہ پہلی دونوں روایات ایسی ہیں، کہ ان پر راقم الحرُوف کچھ بحث کرنا چاہتا ہے۔

پہلی روایت میں جس شہر "اروڑ" کا ذِکر ہے وُہ واقعی زمانۂ قدیم میں سِندھ کا دارالخلافہ تھا۔ اور فاتحِ سِندھ نوعُمر جرنیل مُحمّد بِن قاسمؒ نے یہاں کے راجہ داہر کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بعد میں یہی "اَوَر" بگڑ کر "اروڑہ" ہو گیا۔ نتیجتہً کھتری اور راروڑے جُدا جُدا دو قومیں بن گئیں۔

جامع اللغات میں درج ہے، کہ پرشرام۔ یعنی تبر والا رام۔ تین راموں میں سے پہلے اور وشن جی کے چھٹے اوتار تھے۔ یہ جنم لوگوں کو چھتریوں کے ظلم سے بچانے کے لئے برہمن کے گھر میں لیا گیا تھا۔ انہوں نے ۲۱ دفعہ چھتریوں کو قتل کیا۔

پرشرام راجہ رام چندر جی اور مہابھارت کے زمانے میں زندہ تھے۔

تاریخ اروڑ بنس مصنّفہ حکیم راج رُوپ کے صہ۸۹ پر درج ہے، کہ راجہ رام چندر نے پرشرام کے فتنہ کی مزاحمت کی۔ اور پھر اسی صفحہ پر پرشرام کی کہانی کو غلط قرار دیا گیا ہے۔

[1] پنجاب کاسٹس میں "اَوَر" کے بجے (AUR) اور معنی "(an other)" درج ہیں [2] پنجاب کاسٹس صہ۲۵۱ دفعہ ۵۸۸

شکست دی تھی۔ نیز اسی نواح میں دو مزید شہر بھی جرنیل موصوف نے سر کئے تھے۔ جن کے نام 'راوڑ' اور 'بگروڑ' تھے۔ ملک سندھ اُس زمانہ میں مُلتان کے علاقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور یہ سارا ملک محمدؐ بن قاسم نے مسخر کر کے اپنی حکومت قائم کی تھی اس میں ملتان کے قریب ایک شہر کہروڑ بھی آباد تھا جو اَب بھی موجود ہے دُوسری جانب مُلک سِندھ کی حدُود کراچی تک پہنچی ہُوئی تھیں۔ چنانچہ سب سے پہلا شہر جو محمدؐ بن قاسم نے فتح کیا وُہ دیبل یا دیوِل تھا جس کے قریب آج کل کراچی آباد ہے۔

یہ مختصر سا پس منظر پیش کر کے میری قیاس آرائی یہ کہتی ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ معلوم اَیسا ہوتا ہے، کہ 'اروڑ' کے باشندے ہونے کی وجہ سے اس قوم کو 'آروڑے' نہیں کہا گیا۔ بلکہ 'آروڑہ' قوم کے بسائے ہونے کی وجہ سے اس شہر کا نام 'اروڑ' تھا۔ دُوسرے کا راوڑ۔ تیسرے کا بگ روڑ اور چوتھے کا کہروڑ تھا۔

اَروڑہ قوم اگرچہ افغانستان۔ ڈیرہ اِسمٰعیل خاں۔ ڈیرہ غازی خاں سے لے کر سارے سابق پنجاب اور دہلی اور سابق یُو۔پی بھارت تک پھیلی ہوئی تھی تاہم اس کی اکثریت علاقہ سندھ۔ علاقہ ملتان اور جھنگ میں تھی۔

'مسٹر ابٹ سن' اور حکیم راج روپ' اپنی کتابوں میں قوم اروڑا کی مختلف گروہ بندیوں کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔

۱۔ پہلا گروہ جو پرشرام سے ڈر کر شمال (اُتر) کی جانب بھاگ گیا۔ 'اُترادھے'۔

۲۔ دُوسرا گروہ جو پرشرام کے خوف سے جنُوب (دکھن یا دکّن) کی جانب فرار کر گیا۔ 'دکھنادے'۔

۳۔ تیسرا گروہ ڈاہرے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاںؒ اور ڈیرہ غازیخاں کے رہنے والے آروڑے کھتری۔ آؔ

۴۔ چوتھا گروہ 'اروڑ' کے باشندے آروڑے

(اِس گروہ بندی میں معلوم نہیں کہ مغرب یعنی پچھّم کی نسبت سے پچادے یا پچھادے جو ضلع جھنگ میں بکثرت آباد تھے شمار کیوں نہیں کئے گئے)

مندرجہ بالا چار گروہوں کی بابت یہ صراحت بھی کی گئی ہے، کہ رسم و رواج میں فرق اور اختلاف ہونے کے باعث یہ گروہ آپس میں رشتہ ناطہ نہیں کرتے تھے۔ البتہ رفتہ رفتہ چاروں گروہ آروڑہ کہلانے لگے تھے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے، کہ یہ سب گروہ رفتہ رفتہ آروڑہ کیوں کہلانے لگے؟ اس بارے میں دونوں مؤرخ خاموش ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ آروڑہ چونکہ قدیمی نام تھا۔ اِس لئے سب نے اپنے علاقائی اور ہنگامی ناموں کی بجائے اپنے جدّی اور قدیمی نام کو مُتقدم اور اَفضل جانا۔ اگر آروڑے کی نسبت 'اروڑ' سے ہوتی تو ڈاہرے۔ دکھنادے، اُتراہدے کبھی گوارا نہ کرتے کہ وُہ خواہ مخواہ 'اروڑ' سے منسُوب ہو جائیں۔

اور گروہ نمبر ۳ کے ڈاہرے جن کو ڈیرہ جات (ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور ڈیرہ غازیخاںؔ) سے منسُوب کیا گیا ہے، ان کو زیادہ آسانی کے ساتھ راجہ داہر سے نسبت دی

لہ اِسمٰعیل خاں پسر ملک سہراب خاں قوم بلوچ نے ۱۴۸۱ء میں ڈیرہ اِسمٰعیل خاں کی بنیاد رکھی۔ اور غازی خاں پسر حاجی خاں قوم بلوچ نے اسی سن میں ڈیرہ غازی خاں کی بنیاد رکھی۔

جا سکتی ہے۔ جو ان کے قدیم شہروں کا راجہ تھا۔

دُوسری روایت کے متعلق جس میں 'اُور' سے بگڑ کر 'آروڑہ' بن جانا بیان ہوا ہے۔ صرف یہی کہنا کافی ہوگا۔ کہ کشتریوں کے خلاف پرشرام کی مہمات (اگر وقوع میں آئی تھیں تو) حضرت مسیح کی پیدائش سے اتنا عرصہ پہلے وقوع میں آچکی تھیں، کہ لفظ 'اُور' ابھی معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا

البتہ مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کیا جا سکتا ہے:۔

اوروَرا ۔ صبح کی دیوی جو سورج نکلنے سے پہلے اپنی رتھ پر سوار ہو کر روانہ ہوتی ہے اور شام تک اس کے ہمراہ رہتی ہے۔

اورس ۔ حلال ۔ ولد الحلال ۔ اصلی بچہّ ۔ حلال کا بچہّ ۔

اوریاس ۔ منوساورن کا ایک بیٹا ۔

اوروراپورنیئس ۔ ایک روشنی جو قطبی علاقوں میں رات کو ہوتی ہے۔ یہ خود بخود آسمان پہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ جو غالباً برقی روشنی ہوتی ہے۔

آروڑھ ۔ سوار

اُورو ۔ ایک رشی جو اروا کا بیٹا اور بھرگو کا پوتا تھا۔ اس کا قصہ مہابھارت میں ہے۔

اُورو ۔ ایک برہمن جو رچیکا کا باپ ۔ جمدگنی کا دادا اور پرسرام کا پڑ دادا تھا۔

'اروڑہ' کی وجہ تسمیہ میرے خیال میں یہ ہے، کہ انکسار یا پیار یا حقارت کے جذبات کے ماتحت یہ لفظ 'آرایہ' سے بنا ہے۔ جیسے

جوگی سے جوگڑا ۔ جی سے جیوڑا ۔ سکھ سے سکھڑا اور شیخ سے شیخڑا وغیرہ بن جاتے ہیں ۔ اِسی طرح ’آریہ‘ سے ’آرڈرہ‘ ہوگیا ۔ اور بعینہٖ ان کے اعزازی لقب رائے یا راؤ سے بگڑ کر ’روڑہ‘ بن جانا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے ۔

اور حسنِ اتفاق ہے، کہ ’آریہ‘ سے بگڑا ہوا لفظ ’اَروڑہ‘ ہندی اور سنسکرت میں پھر بامعنی کلمہ ہے ۔ اس کے معنی ہیں ’سُلجھا ہُوا‘ ۔ حلیم الطبع ۔ ملائم باتمیز ۔ خالص ۔ جس میں ملاوٹ نہ ہو ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

اِس کا پہلا حرف یعنی اَ ہندی قواعد کی رُو سے نفی کے معنی دیتا ہے ۔ جیسے اَمَر ۔ اَمرِت ۔ اَجوڑ ۔ اَموڑ ۔ وغیرہ میں الف نفی کے معنی دیتا ہے ۔

اِس مضمون کو اِن الفاظ کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے، کہ قطع نظر اِس سے کہ وجہ تسمیہ درست ہے یا غلط اِس میں کلام نہیں کہ :-

اَروڑہ قوم ایک مُسلمہ حقیقت ہے ۔

اَمَر (سنسکرت) جو نہ مرے ۔ زندۂ جاوید ۔ حیّ و قیوم ۔

اَمرِت (”) نہ مرنے کی خصوصیت ۔ حیاتِ جاوداں ۔ آبِ حیات ۔

اَمِٹ (ہندی) جو نہ مٹے ۔ قائم دائم ۔

اَجوڑ (”) ناقص جوڑ یا بغیر جوڑ ۔

اَٹَل (”) نہ ٹلنے والا ۔

اَروڑہ ۔ جس میں روڑہ نہ ہو ۔

آریہ اور اُن کی تگ و دو

آروڑہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بات یہاں ختم ہوئی تھی کہ لفظ آروڑ (آریہ دہ) آریہ سے لیا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے، کہ مختصر الفاظ میں بتایا جائے کہ آریہ کون اور کیا ہیں؟ آریہ دنیا میں بنی نوع اِنسان کی مشہور ترین نسلوں میں سے ایک نسل (RACE) ہے جو بالکثرت پاکستان، بھارت، ایران اور تقریباً سارے یورپ میں آباد ہے۔ یہ ایک مُسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ آج سے کوئی چار ہزار سال

حاشیہ صفحہ ہٰذا:۔ جامع اللغات اُردو میں آریہ کے معانی حسب ذیل درج ہیں:۔

آریہ (س۔ صفت) ا۔ وفادار۔ باوفا ۲۔ خاندانی معزّز بزرگ

۳۔ (ندائیہ) حضور۔ جناب۔ حضورِ والا

۴ (مذکر) معزّز آدمی۔ باعزّت آدمی

۵۔ وہ جو اپنے مذہب کا پابند ہو۔

۶۔ دوست ۷۔ ویش وغیرہ وغیرہ

آریہ پُتر:۔ آریہ یا شریف آدمی کا بیٹا۔ ناٹک میں عورت اپنے خاوند کو۔ اور رعایا راجا کو اسں نام سے پکارتی ہے۔

آریا (ہ۔ مذکر) ایک قوم کا نام جو پہلے وسط ایشیا میں آباد تھی۔ پھر وہاں سے ہند، ایران، اور یورپ میں پھیل گئی۔

فیروز اللغات اردو میں ہے:۔ آریہ (آر یَہ) (س۔ مونث) ا۔ بزرگ۔ معزّز ۲۔ وہ قدیم قوم جس کی نسل کے لوگ پاکستان۔ ہندوستان ایران اور یورپ میں آباد ہیں ۳۔ کاشتکار۔ کھیتی کرنے والا۔ ڈھور چرانے والا

۴۔ آرین قوم کی زبان۔

پہلے اِس نسل کے لوگ آب وگیاہ اور جان ومان کی تلاش میں قافلہ در قافلہ، اور قبیلہ در قبیلہ وسط ایشیا سے چلے اور براہِ افغانستان ان کے کچھ قبائل پاک وہند کی سرزمین پہ وارد ہو کر یہاں کے ہو کر رہ گئے۔ اور اپنے نام پر اس ملک کا نام 'آریہ ورت' رکھ لیا۔

فی الحال یہ بیان کرنے سے قبل کہ یہاں آکر انہوں نے کیا لیا اور کیا دیا۔ یہ ذکر کر دینا مناسب رہے گا کہ آریوں کے بعض قافلوں نے پاک و ہند کی بجائے ایران کا رُخ کر لیا تھا۔ چنانچہ ایران کا نام بھی انہی حضرات کا مرہونِ منّت ہے[1] اور ہزاروں سال سے ایران میں یہی قوم آباد ہے۔

'آریہ ورت'، اور ایرآن کی آبادکاری پر اِکتفاء نہ کرتے ہوئے آریہ لوگوں کے ریلے بہت دُور مغرب میں یورپ کی پہنائیوں پر بھی جا قابض ہوئے۔ جرمنی فرانس سپین۔ پرتگال۔ اِٹلی۔ انگلینڈ۔ آئرلینڈ وغیرہ پر جب سے اب تک اِنہی کے پرچم لہرا رہے ہیں۔

یورپ کے بے شمار قدیم شہروں اور علاقوں نے اپنے نام انہی کے نام 'آریہ' یا آرین سے اخذ کیے ہوئے ہیں۔ آئرلینڈ کا نام ایک ایسی ہی مثال ہے۔

مندرجہ بالا ایشیائی اور یورپی ملکوں کے باشندے یعنی آریہ نسل کے لوگ متفرق ممالک میں مختلف ماحول میں ہزارہا سال گزار چکنے کے باوجود اپنی جسمانی ساخت کی رُو سے، خدوخال کے اِعتبار سے، اور عادات کے لحاظ سے، ہنوز باہم بے پناہ یکسانیت رکھتے ہیں۔ زباندانی کے ماہروں کا کہنا ہے، کہ ان سب ملکوں کی زبانوں کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف عیاں ہو جاتا

---

[1] شہنشاہِ ایران کا ایک خطاب 'آریا مِہر' بھی ہے۔

ہے، کہ ان کی اصل ایک ہے۔ بعض الفاظ میں تو مشابہت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ سنسکرت اور لاطینی وغیرہ دُنیا کی بڑی بڑی اور قدیم زبانیں، ان کی زبان آرین سے نکلی ہیں [1]

علاوہ ازیں مذکورہ بالا ممالک کے لوگ اپنی نسل (RACE) پُورے وثُوق کے ساتھ آرین ہی بیان کرتے ہیں۔

---

[1] جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ دُنیا بھر کی زبانوں کا ماخذ عربی زبان ہے۔

آریہ ورت میں آرین کی بُود و باش

اپنے اس نئے وطن میں آکر آریوں نے اپنی ذہنی، جسمانی، انتظامی اور رُوحانی صلاحیتوں کا لوہا اُن قوموں سے جلد ہی منوا لیا جو پہلے سے یہاں آباد تھیں۔

یہ لوگ وجیہہ اور خوبصورت تھے۔ اِن کے قد طویل، جسم سڈول اَور رنگ گورے یا گندم گوں تھے۔ ذہین و فطین تھے۔ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ کپڑا بُننے، مٹّی اور دھات کے برتن بنانے۔ چمڑا رنگنے۔ تیر و کمان اور کلہاڑے بنانے کی دستکاریوں سے آشنا تھے۔ مویشی پالنے اور کھیتی باڑی کرنے میں دِل چسپی رکھتے تھے۔ چیزوں کے عوض چیزوں کا لین دین اِن کی تجارت تھی۔ جری اور بہادر تھے۔ امن و امان قائم رکھنے، اور حکمرانی کے گُر سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے یہاں بستیاں آباد کیں۔ گاؤں، قصبے اور شہر بنائے۔ چھوٹی چھوٹی حکومتیں یا ریاستیں مستحکم کرلیں۔ قبیلوں اور خاندانوں کے بزرگ مِل کر پنچایت کی صورت میں، یا تنہا راجہ، رائے یا مکھیا یا آریہ کی حیثیت میں، نظم و نسق بحال رکھتے، اور عدل و انصاف کی داد دیتے تھے۔

بوقتِ ضرورت گھوڑوں اور رتھوں پر سوار ہوکر جنگیں لڑتے اور معرکے مارتے تھے۔ بہادروں، عالموں، شاعروں اور کاریگروں کی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔

مگر افسوس کہ خدائے قدّوس کو وحدہٗ لاشریک جاننے کے باوصف بھٹکے ہوئے تھے۔ اور دیوی دیوتاؤں اور قدرت کے مختلف مظاہر کی پرستش میں اُلجھ گئے تھے۔

اِن کے اپنے متعلّقہ رسم و رواج تھے۔ آرین ان کی اپنی زبان تھی جس کو بعد میں یہاں کی دیگر مقامی زبانوں کے ساتھ ملا کر انھوں نے ایک نئی زبان 'سم سکرت' یعنی مشترکہ زبان بنائی تھی جسے آج کل سنسکرت کہا جاتا ہے۔ اِن کی تہذیب اور تمدّن کے بعض اثرات اِتنے گہرے واقع ہوئے ہیں کہ لیل و نہار کی لاکھوں گردشیں ان کو محو نہیں کر سکیں۔ بیسویں صدی کا انسان کسی وقت ایسا محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے وُہ آریہ ورت میں تازہ وارد آرین کی رفاقت میں چار ہزار سال پہلے کی زندگی گزار رہا ہو۔ اُس عہد کی سب سے بڑی یادگار منوسمرتی یا منو دھرم شاستر ہے۔

سب سے زیادہ گہرا نقش

منو دھرم شاستر یا طبقاتی ناہمواری

منو دھرم شاستر سے مراد وہ آئین ہے، جو آریہ قوم کے ایک بہت بڑے مقنن مسمیٰ منو نے حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے کوئی تین ہزار سال پہلے آریہ ورت کو دیا۔ جس کی رو سے باعتبارِ مرتبہ ہندوؤں کو چار درجوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

۱۔ برہمن ۔ تعلیم و تعلم اور مذہبی قیادت ان کو ملی۔

۲۔ کشتری۔ سپہ گری اور ملک کا نظم ونسق ان کے حصّہ میں آیا۔

۳۔ ویش ۔ زراعت اور تجارت کی اجارہ داری انہیں میسّر آئی۔

۴۔ شودر ۔ جن کی ذمّہ داری میں صنعت و دستکاری کے علاوہ اُوپر کے تین طبقات کی خدمت گزاری بھی شامل ہوئی۔

اِن چار درجوں یا ورنوں کے علاوہ اچھوت ہیں۔ جن بدنصیبوں کے ذِکر تک کو نہیں چھُوا گیا۔ کیونکہ اچھوت کے معنی ہیں جسے چھُوا نہ جائے۔ اِن کے سایہ کو بھی اُونچی ذات والے اپنے اُوپر پڑنے نہیں دیتے۔

دراصل یہ اُن اقوام کے افراد ہیں، جو آریہ قوم کی آمد سے پہلے برِعظیم پاک و ہند میں آباد تھے۔ بلکہ حکمران تھے۔ ہندو سوسائٹی میں ان کا کوئی مقام نہیں، فقط غلامِ بے دام ہیں۔

لطف تو یہ ہے کہ اِن مغلوبین کے بعد جب غالب آنے والے مسلمانوں

سے واسطہ پڑا، تو ہندو مفتی نے اُن کے حق میں بھی یہی اچھوت ہونے کا، فتویٰ دیا۔

یہ مسلمان حکمرانوں کے محکوم ہو کے رہے۔ خوشامدیں کیں۔ رشتے دئے عہدے لئے۔ جاگیریں اور معافیاں لیں۔ مگر مسلمانوں کو جانا اچھوت۔ نہ صرف اچھوت جانا۔ بلکہ ملیچھ[۵] کا خطاب بھی دیا۔

اِس آئین کے حُسن و قبح پر پاک و ہند کی تاریخ سے دِل چسپی رکھنے والے ہر فرد نے طبع آزمائی کی ہے، اور اپنے اپنے خیال کے مطابق معاشرہ کے حق میں ہر ایک نے اسے زہرِ ہلاہل قرار دیا ہے۔

مگر حیرت ہے، کہ باوجود قابلِ نفرین ہونے کے اس آئین کی جڑیں ہنوز حسبِ دستورِ اوّل مضبوط و مستحکم ہیں۔ اور کوئی اُکھاڑنے والا نہیں اکھاڑ نہیں سکا۔ انقلاب پر انقلاب آئے۔ حکومتوں کے تختے اُلٹ جاتے رہے، مگر آئین کا یہ حصّہ تغیّر پذیر ثابت نہیں ہوا۔ جُوں کا تُوں قائم رہا۔ یہاں تک کہ انگریز حکمران اس رُسوائے زمانہ آئین کی بیخ کنی تو درکنار اُلٹے اِس کے ممِّد و معاون بنے رہے۔ انہوں نے بھی اِنسان کو انسانیت کے پیمانے سے ناپنے کی بجائے ذاتوں کے پیمانہ سے ناپا۔ بڑی ذات کے آدمی کو بڑا اور چھوٹی ذات کے غریب کو چھوٹا سمجھا۔

انگریزوں نے زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ کی تمیز قائم کر کے۔ منوُ کی

---

۵ ملیچھ (ہ۔ صفت) ۱۔ پلید۔ میلا۔ ناپاک۔ غلیظ۔ اگھوری۔ ناپاک قوم ۲۔ جنگلی آدمی۔ وحشی آدمی ۳۔ کافر۔ بے دین (فیروز اللغات)

درجہ بندی میں مزید اضافہ کیا۔ مؤخر الذکر طبقہ کے لوگوں پر زرعی اراضی خرید کرنا ممنوع قرار دے دیا۔ تعلیم اور سرکاری ملازمت کے دروازے ان پر بند نہیں تو تنگ ضرور کر دیئے گئے۔

قاعدہ کُلّیہ کے مطابق اس عدم مساوات، یا طبقاتی ناہمواری کا رَدِّ عمل یہ ہُوا، کہ سوسائٹی کے بعض طبقے اپنے آپ کو افضل و اعلیٰ گردانتے ہُوئے احساسِ برتری میں مبتلا ہوئے، تو دُوسرے احساسِ کمتری کا شکار ہو کر رہ گئے۔ گویا پورے کا پورا سماج ہزاروں برس تک ایک نہ ایک احساس میں اُلجھ کر انسانیت کی توہین کا موجب بنا رہا۔

جائز و ناجائز وسائل اختیار کر کے، اور کِذب و اِفتراء کے ذرائع استعمال کر کے لوگوں میں ذاتیں تبدیل کرنے کا رُجحان فروغ پاتا رہا۔ اور ایک طبقہ کو دُوسرے طبقہ پر ہمیشہ عدم اعتماد ہونے کی وجہ سے یہ طبقاتی ناہمواری ملوکیت کی مستحکم بُنیاد بنی رہی۔ بارے اب سرزمینِ پاک کے معرضِ وجُود میں آنے پر منُو کے بوئے ہُوئے اِس شجرِ خبیث کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں۔

بے جا نہ ہو گا اگر یہاں وُہ بحث بھی درج کر دی جائے جو خود ہندوؤں کے اندر منُو شاستر کے متعلّق پائی جاتی ہے۔ جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:۔

برہمن یا برہمن نوازوں کے مطابق منُو کی تقسیم مدامی اور موروثی ہے جس کا مطلب یہ ہے، کہ برہمن کا بیٹا خواہ اَن پڑھ، جاہل اور بدکردار کیوں نہ ہو وُہ واجبُ التّعظیم اور برہمن ہوتا ہے۔ کھشتری کی اولاد اگرچہ جنگ سے کوسوں دُور بھاگے، اور بزدل ہو، تو بھی کھشتری ہے۔ اور سُوربیر (بہادر) ہے

ویش لاکھ پڑھ جائیں، برہمن نہیں کہلا سکتے۔ نہ کسی صورت کھشتری کا رُتبہ پا سکتے ہیں۔ شوُدر، شوُدر ہی رہیں گے۔ اِن کے واسطے تعلیم اور فوجی تربیت شجرِ ممنوعہ ہیں۔ مشہور ہے کہ اگر کوئی شوُدر ویدِ مقدّس کا ایک لفظ بھی کہیں سے سُن پاتا تھا، تو اُس کے کانوں میں پگھلا ہوُا سیسہ اُنڈیل دیا جاتا تھا۔

برعکس اِس کے بعض اہلِ علم ہنوُد کے نزدیک ذات پات کی یہ تقسیم، آج کل کے ٹریڈ یُونین سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی اور کہ آدمی ایک ورن سے دُوسرے ورن میں جا سکتا تھا۔ یعنی ورن مدامی اور موُروثی نہ تھے۔ یہ نقّاد اپنے دعوے کی تقویت میں اَیسی نظیریں بھی پیش کرتے ہیں، جن سے ورن تبدیل کرنے کے ثبوت ملتے ہیں۔ مثلاً وُہ کہتے ہیں کہ:ــ ؎

"ہماں ویت بھو کھتری راجہ۔ بھر گوجی کے اُپدیش سے برہمن ہوُا"

نیز

"دیو ولی اور دیوست منوُ کی اَولاد سے جن لوگوں نے وید کو انگوں کے ہست پڑھا۔ وُہ برہمن ہوُئے جو کہ برہمن کشیب گوتری ہیں۔ اُنہیں کی اَولاد سے ہیں"

اَور اپنے دعوے کی تصدیق میں یہ شلوک بھی سُناتے ہیں ؎

"جنم نہ جانیئے برہمنہ ــــ برہم ودیانی برہمنہ"

جس کا مفہوم غالباً یہ ہے، کہ برہمن کے گھر پَیدا ہو جانے سے آدمی برہمن نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ برہمن وُہ ہے، جو برہم کے عِلم سے بہرہ ور ہو۔ اہلِ علم ہنوُد یہ الزام دیتے ہیں، کہ برہمن حضرات نے محض

؎ یہ حوالے حکیم راج رُوپ کی کتاب تاریخ اروڑ بنس ص ۶۱ سے لیئے گئے ہیں۔

اِقتدارِ اَعلیٰ اپنے ہاتھ میں رکھنے، اور اپنی اَولاد کے مفاد کے پیشِ نظر منوُشاستر کی غلط تشریح سے کام لیا ہے۔ منوُ کی مَنشاء صرف یہ تھی، کہ کسے باشد جو کوئی تعلیم وتعلّم اور پُوجا پاٹھ کا فریضہ ادا کرے گا، وُہ برہمن کہلائے گا۔ اَور جو شخص فنوُنِ حرب، اور آئینِ جہاں بانی کو اپنائے گا۔ اُسے کھشتری کہا جائے گا۔ منوُ کی طرف سے اَیسی کوئی پابندی عاید نہ تھی جس کی وجہ سے کسی وَیش یا شوُدر، یا کھشتری پہ دید کا علم حاصل کرنا ممنوع ہو۔ بلکہ ان کے خیال میں تو کوئی برہمن اگر کاشتکاری اختیار کرلے تو وَیش بن جائے گا۔ اور اگر کوئی شوُدر فنِ سپہ گری میں مہارت حاصل کرلے، تو وُہ پُورا کھتری سمجھا جائے گا۔

غرض اِن کے نقطۂ نگاہ سے وَرن مستقل اور دائمی نہ تھے۔

عقلِ سلیم بھی برہمنوں کے موقف کے حق میں نہیں جاتی۔ کیونکہ ظاہر ہے، کہ پہلے پہل جب منوُ صاحب نے یہ آئین نافذ کیا ہوگا تو ایک ہی گھر کے اندر باپ کا اگر فوجی ہونے کی وجہ سے کھشتریوں میں شمار ہُوا ہوگا، تو اس کا ایک بیٹا جو کھیتی باڑی کا کام کرنے والا ہوگا وُہ ویش گردانا گیا ہوگا علیٰ ہٰذالقیاس دُوسرا بیٹا تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے یقیناً برہمن بنا دیا گیا ہوگا اَور عجب نہیں کہ آگے چل کر کچھ عرصہ تک کسان کا بیٹا سپاہی۔ اور سپاہی کا فرزند تاجر۔ اَور تاجر کا لختِ جگر عالِم۔ اور عالِم کا پُوت صنعت کار بن جاتا رہا ہو۔ جیسے کہ آج کل کے معاشرہ میں مُروّج ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً

سب لوگ ایک گروہ تھے

(القرآن الحکیم ۲/۲۱۳)

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا
كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا
فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ
وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝

قرآنِ حکیم ———— ۴۰/۲۱

کیوں دُنیا کی سَیر کر کے اِس بات پر غور نہیں کرتے، اُن قوموں کا کیا حال ہُوا جو پہلے گزر چکیں۔ عظیم قوّت کی حامل تھیں اور اُن کے عظیم آثار زمین پر موجود تھے، مگر اَللّٰہ تعالٰی نے جب ان کے جُرموں کی سزا پکڑی، تو کوئی قوّت بھی ان کو خُدا کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

(ترجمہ)



وَاذْكُرُوهُ
كَمَا هَدٰىكُمْ
وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ
لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

(قرآنِ حکیم ۲/۱۹۸)

اور اُس کا ذِکر کرو!
جیسے اُس نے تمھیں ہدایت فرمائی۔
اور بے شک اِس سے پہلے،
تم بھٹکے ہُوئے تھے۔

(ترجمہ)

ہمارے

قبولِ اسلام کی کہانی

حکیم راج روپ کی زبانی

اِشاعتِ اِسلام کی کہانی
حکیم راج روپ، کی زبانی،

(تاریخ کھتریان آرا وڑ بنس صد۶۱ سے مسلسل)

اِنقلابِ زمانہ پنجم

تمام ملک میں اِسلامی تشدّد اور شاہ گردی نے سخت انقلاب پیدا کر دیا۔ صدہا گھرانے اور خاندان کھشتری۔ برہمن۔ ویشیہ پکڑ پکڑ کر جبراً مسلمان کر دئے گئے شہاب الدین، اور اورنگ زیب کے ظلم کس سے پوشیدہ ہیں۔ شیخ۔ خوجہ۔ راجپوت زنگڑ اور جاٹ۔ ارائیں۔ کمبو وغیرہ لاکھوں مسلمان اِنھیں چار برن سے لئے گئے ہیں۔ بلکہ تمام کمین لوگ لوہار۔ ترکھان۔ سُنار۔ حجام۔ تیلی۔ موچی۔ ماچھی۔ ملاّح مالی۔ گوجر اور بھی بہت لوگ کمین اور اہلِ حرفت اس شودر برن سے بنائے گئے اور نیز چوہڑہ چمار ان تمام لوگوں کی ضروریات کو پُورا کرنے کے لئے ہو گئے۔

برہمن لوگوں نے جن کو سب نے بالاتّفاق پرمیشر حاصل کرنے کا مُکھ یا ذریعہ یا اپنے پروہت۔ گرو۔ راہنما مانا ہُوا تھا۔ وُہ طمع نفسانی میں آن کر ادنیٰ چال چل پڑے۔ اور برہم ودّیا کو موروثی عہدہ اپنا قائم کرکے دُوسرے بڑوں کو کمزور

کرنا چاہا۔ چاروں وید۔ چھ شاستر جن میں برہم وِدّیا کی فلاسفی ہے۔ خود پڑھے اور دُوسرے برنوں سے خفی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان تینوں پر اپنا خوب تسلط بٹھالیا۔ اِن کے اپنے گوتر بنش۔ اور پرور بھی نہ رہنے دئے۔ اجازت دیا گیا کہ لوگوں کا اپنا کوئی بنش اور گوتر پرور نہیں ہے۔ جس پروہت اور برہمن سے وُہ سکھیا لیوے اس کا برن گوتر اختیار کرے۔ اس گوتال چال میں وید ایسے گم ہوئے کہ صرف منتروں ہی میں اس کا نام زبان زدِ خلائق رہا اور تعلیم وید شاستر کی ایسی نابود ہوئی کہ کھشتری ویشیہ نے تو ان پروہتوں کے اعتبار سے چھوڑ دئے۔ اور پنڈت جی مہاراج ان تینوں برنوں سے پُوجا۔ تپسیہ۔ یگیہ۔ شرادھ۔ بیاہا۔ شادی۔ کریا وغیرہ کے بہانہ سے مال مفت کا جوڑ کر خود بھی آرام طلب ہو گئے اور وید شاستر وِدّیا سے محرُوم ہو گئے۔ اور ادھر شُودروں کے کل استحقاق اور دھرم کو ڈبو دیا۔ اور بتلایا کہ یہ لوگ وید وِدّیا کے پڑھنے کے ادھیکاری نہیں ہیں۔ اور نہ کبھی ان کی نجات ہو سکتی ہے۔ اور نہ ان کا کوئی دیوی دیوتا ہے۔

اس زمانہ اسلامی اور شاہ گردی میں جب کہ صدہا لوگ جبراً مسلمان کئے گئے۔ اور ان میں سے بعض چالاک طبع آدمیوں نے اس مذہب اسلام میں آن کر، یا پیدا ہو کر شُودر مذہب کے لوگوں کو جا بھسلایا اور بڑے بہشت (بیت النعیم) کے دینے کا وعدہ ان سے کر کے۔ اور نجات ہونے کا سرٹیفکیٹ دے کر ان کو اسلامی، یا محمدیؐ جھنڈا کے نیچے آن کھڑا کیا۔ اور لوٹا یا استاد کا پانی پلا کر، اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا کر مسلمان کر دیا۔ اور اس کے زہریلے مادہ نے اس ملک میں اپنا وُہ اثر دکھایا۔ کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں مذہب اسلام (محمدیؐ) کا پھیل گیا۔ جو کہ ان دنوں وُہ اپنا استحقاق نصف سے

زیادہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ گویا منوجی کے حکم اور قانون کے معنی اور اغراض کو ہمارے جاہل اور بے سمجھ بھائیوں نے اُلٹا چلا کر، اس کے معنی اُلٹے لے کر وہ اس قدر گرے کہ درجہ ذلالت سے بھی گر کر ہبوط تک پہنچ گئے۔ اور ترقّی کرنے کی عادت کو قطعی چھوڑ بیٹھے۔ گویا تنزّل میں جانا، اور ذِلّت میں رہ کر اپنی عُمر کو پُورا کرنا ان کی جبلّی عادت اور مشیّتِ ایزدی سے ہو گیا۔ برہمنوں نے اِس پر بھی صبر نہیں کیا ہے۔ وید شاستر ہمارے لئے عنقا کر کے، اور گھر کے ان گھڑت داستانوں کا مجموعہ حسبِ مفادِ خود تیار کر کے ان کا نام اٹھارہ پُران رکھ دیا۔ اس میں جملہ حکایات فرضی اور بھیانک ہ اوچک کی درج کر دیئے۔ اور ہمارے پرمارتھ روکنے کو وہ راستہ اَیسا خطرناک کر دیا کہ کوئی بشر درجہ نجات تک نہ پہنچ سکے۔

اور ہر ایک مذہب کا آدمی ہم کو ان پُرانک نظائر سے جھُوٹا ثابت کر دے۔ یہی وجہ تھی، کہ ہمارے ہندو بھائیوں کے نو آموز اور بے تجربہ بچّے اِسلامی جال میں پھنسے، اور محمدؐی کلمہ پڑھا۔ اور ہماری برادری سے تپت ہو کر خارج ہو گئے۔ اور بجائے ہربنس رائے۔ سکھ رام داس۔ ہرنام داس۔ دِل باغ رائے۔ پرتاب سنگھ نیجا سنگھ کے عبدالعزیز۔ عبدُاللہ۔ عبدالغنی۔ بشیر احمد۔ عبدالرحمٰن ہو گئے۔ اور ان کے والدین ان کو رو رو کر اندھے ہو گئے، اور داغ مہاجرت جیتے فرزند لے بیٹھے۔

برہمنوں کی طرف سے اور بھی ہماری ذات کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ہے، ہر ایک کام بیاہ شادی۔ ماتم غمی میں اپنا اُلّو سیدھا کیا ہے۔ اور ہمارے لوگ وید سے اور مضمون شاستر سے بے خبر چوہے کی ماں کی طرح پر قیامت کے خوف سے پنڈت لوگوں کی آگیا انوسار چلے جاتے ہیں۔ اور اس منتر پر عمل کرتے ہیں کہ "برہم واک جنا ردھن"

یعنی برہمن کا واک بہت مانو خواہ وُہ خود باعیب ہو۔ بے علم ہو۔ شرابی کبابی زانی ہو۔ اس کو لوگ پنڈت جی مہاراج کہتے ہیں۔ یگیہ شرادھ میں اس کو بھوجن دیتے ہیں۔ اور وُہ بھی ان عقل کے اندھوں کی خوب دُردُشا کرتے ہیں"۔

حکیم راج رُوپ صـــ۶۳ پر مُسلسل انقلاب زمانہ ششم کے عنوان کے ماتحت رقمطراز ہیں کہ :- "جب تمام دنیا میں وید شاستر کے گُم ہو جانے، اور جہالت اُودیا کے پھیل جانے سے اندھکار مچ گیۓ۔ برہمنوں نے پورانک وِدّیا کو عرُوج دے دیا۔ برت۔ نوراترہ۔ کا نشئی مہاتم۔ اکادشی مہاتم۔ گھر گھر گایا جانے لگا۔ دیوی اُپاشنا اور جانجھ بجا کر دیوی سوئی ہوئی کو جگانے لگے۔ ٹھاکر دوارہ۔ شو دوالہ میں شوِلنگ کی پُوجن شروع ہو گیۓ۔ تیرتھ یاترا کا رواج بڑھ گیا۔ برہم وِدّیا خُدا پرستی کی جگہ پر تما پُوجن اور اوتار پرستی شروع ہو گئی۔ ادھر اِسلامی تشدد اِس قدر بڑھا، کہ ذرا کوئی ہندو سخت بولا۔ جھٹ اُس پر قاضی صاحب نے فتوٰی لگا دیا کہ یا تو قتل کیا جاۓ، یا اِسلامی کلمہ پڑھایا جاۓ۔ گھر گھر اس کا غوغا مچ گیا۔ جہاں دس آدمی جمع ہوں، اور دریافت کیا جاۓ کہ کیا معاملہ ہے تو پھر جواب ملے، کہ فلاں ساہوکار کے لڑکے نے فلاں مسلمین کو گالیاں دیں اور اس پر قاضی صاحب نے فتوٰی دیا ہے کہ اس کو مسلمان کیا جاۓ یا گردن سے مارا جاۓ۔ اِس کے والدین رو رہے ہیں کہ ہمارا پیارا بیٹا ہم سے ناحق چھینا جا رہا ہے۔ اگر وُہ مارا گیا تو بھی ہمارا کلیجہ پھٹ جاوے گا۔ اگر اِسلامی جھنڈا کے نیچے اس کو لے گیۓ تو وُہ جیتا ہی ہم سے چھینا گیا۔ اِدھر جو لوگ جبراً مسلمان کیۓ گیۓ وُہ اسلامی ٹھیکیدار بن گیۓ۔ اور رات دِن اس فکر میں لگ گیۓ کہ باقی اہلِ ہنُود کو کیوں نہ مسلمان کیا جاۓ۔ حور۔ غلمان۔ بہشت کا وعدہ کیا۔ اِسلامی

جھنڈا کے نیچے آنا باعثِ نجات بتلایا۔ حضرت محمد رسول اللہ کو اپنا شفیع بتلایا۔ قرآن مجید کو کلامِ الٰہی اور عرشِ مُعلّٰی سے بذریعہ وحی جبرائیل کے نازل ہونا اور حضرت کا معراج کے وقت . . . .

. . . . لاکھوں رموز طے کر کے چشم زدن میں واپس آنا سکھلایا اور پورانک شاستر سے ان کی عیب جوئی اور نقص کو تلاش کر کے ان کو مذہبِ ہنود سے کھسکایا۔ یہاں تک کہ صدہا آدمی بے تجربہ اور وید شاستر سے بے بہرہ اس دھوکا میں آن کر کلمۂ محمدی پڑھنے لگ گئے۔"

حکیم صاحب ص۱۷۱ پر اپنے خاندان کے ایک فرد کے مسلمان ہو جانے کا واقعہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"لالہ ہرنام داس کے یہاں ایک فرزند بلونت رائے پیدا ہوا۔ کہ اچانک مولوی محمد بخش کی مذہبی تعلیم اور مذہبی دھوکا میں آکر سمت ۱۹۳۹ بکرمی میں مسلمان ہو گئے اور اپنا نام عبداللہ رکھا لیا۔ پھر فرزندِ خود کو بھی اٹھا کر لے گئے اور اس کو بھی مسلمان کرنے لگ گئے۔"

"سردار صاحب کوڈا سنگھ کی سفارش پر لالہ سالگرام تحصیلدار چونیاں نے بصد فہمائش لڑکا ان سے واپس دلایا۔ اور ان کی عورت لڑکا کو ہمراہ لے کر اپنے چچا کے یہاں موضع منگوتا رو میں چلی گئی۔ سات سال تک زمانہ نحوست کا کاٹ کر واپس آئی۔ اسی خاندان کا دوسرا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ لالہ سکھ رام داس بھی تھوڑا علم جانتے تھے۔ کہ اپنے بھائی کے اُپدیش سے یہ بھی مسلمان ہو گئے اور اپنا نام عبدالعزیز رکھ لیا۔ اس کا ساک مسلمان ہونے پر چھوٹ گیا۔"

حکیم راج روپ کی بیان کردہ کہانی

پر

تبصرہ

حکیم صاحب کے فرمودات پر کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے جی چاہتا ہے کہ ان کے ارشادات کو ایک مرتبہ پھر حرف بحرف نقل کر دیا جائے۔ یا کم از کم بار بار پڑھ کر لطف اندوز ہوا جائے۔ کس "حکیمانہ" انداز میں وہ سب باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ جو ایک ہندو کو قبولِ اسلام کی خاطر اپنا آبائی مذہب ترک کرنے پر مائل کر دیتی تھیں۔ اور لطف یہ کہ اسلامی تشدد اور شاہ گردی کا الزام بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ہندو مذہب کی کمزوریاں بھی گنی گئی ہیں۔ اپنے مذہبی رہنما برہمنوں کو بھی جی بھر کر کوسا ہے۔ اسلام کے محاسن میں سے نجاتِ اخروی حضور کی شفاعت قرآنِ پاک کی شان۔ رسولِ اکرمؐ کے معراج پر ایمان حضرت جبرائیل اور نزولِ وحی اور بہشتِ نعیم کا وعدہ بیان کیا ہے۔ اور اخیر میں اپنے دو عزیزوں کے مسلمان ہو جانے کی سرگزشتیں بطورِ مثال پیش کر کے نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا ہے، کہ سردار صاحب کوڑا سنگھ کی سفارش پر لالہ سالگرام تحصیلدار چونیاں نے بقصد فہمائش مسلمان ہو جانے والے عزیز سے اُس کا بیٹا چھین لیا تھا۔ اور اس کی بیوی اس سے جدا کر دی گئی تھی۔ دوسرے عزیز کو مسلمان ہو جانے کی پاداش میں اپنی منگیتر سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ اغلباً اسی تشدد کو حکیم صاحب اور ان کے ہمنوا "اسلامی تشدد" کا نام دیتے ہیں۔

استاد اکا پانی پلا کر مسلمان کر دینے کا ڈھنگ افسوس ہے کہ آج کل کے مسلمانوں

کو نہیں آتا۔ نہ راقم الحروف کو معلوم ہے۔ آہ یہ راز حکیم صاحب کے ہمراہ شمشان بھومی میں سدھار کر بھسم ہو گیا۔

حکیم صاحب نے ایک تیسری مثال "بزورِ فتویٰ" مسلمان کرنے کی بیان کی ہے۔ چونکہ وُہ فرضی ہے۔ اِس لئے درخورِ اِعتناء نہیں ہے۔ اگر واقعہ پر مبنی ہوتی تو اس پر غور ہو سکتا تھا۔ تاہم اِس مثال میں بھی پہل "فلاں ساہوکار کے لڑکے" کی طرف سے ہُوئی ہے۔ جس نے "فلاں مُسلمین کو گالیاں دیں"۔ نیز حکیم صاحب کے بیان کردہ اِنقلاب زمانہ پنجم و انقلاب زمانہ ششم میں مندرجہ ذیل حقائق کا اعتراف کیا گیا ہے، کہ :۔

ـــــ برہمنوں نے لوگوں کو بے وقوف بنایا ہوا تھا۔ اور دونوں ہاتھوں سے ہندوؤں کو طرح طرح کے حیلے بہانوں سے لُوٹتے تھے۔

ـــــ برہمنوں کی برتری کے خلاف ہندوؤں میں بغاوت کے جراثیم پل رہے تھے۔

ـــــ ہندوؤں میں معاشرہ کے حق میں مفید ترین طبقہ کو یعنی کاریگروں، اور صنعت کاروں کو کمین گردانا جاتا تھا اور بہت حقیر سمجھا جاتا تھا۔

ـــــ بنی نوعِ اِنسان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے والوں کو شُودر کہا جاتا تھا۔ اور ان کی قدر پالتُو جانور جتنی بھی نہ تھی۔

ـــــ ہندُو مذہب میں عام آدمی کے لئے دُنیاوی بہبُود اور اُخروی نجات کا کوئی سامان نہ تھا۔

ـــــ عام آدمی کو مذہب کی تعلیم سے یکسر بے بہرہ رکھا جاتا تھا۔

ـــــ ہندوؤں کا مذہب بقول حکیم صاحب ایک ایسا مذہب تھا کہ کوئی بھی اُسے بآسانی جھوٹا ثابت کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں کے نَو آموز اور بے تجربہ بچے

اِسلامی جال میں پھنسے" (یہ الفاظ حکیم راج روپ کے ہیں ۔ جو اُنھوں نے اِسلامی تشدد اور شاہ گہ دی کے تحت رقم فرمائے)

حکیم صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ :-

ـــــ "اِسلام نے اپنا ایسا تاثر دیا، کہ اِس ملک میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں مذہب اِسلام پھیل گیا" (جادُو وُہ جو سر چڑھ بولے)

پھر دُوسری جگہ فرماتے ہیں :-

ـــــ "جن کو جبراً مسلمان کیا گیا، ان میں سے بعض چالاک طبع آدمیوں نے شُودر مذہب کے لوگوں کو جا بھسکایا ۔ یعنی مسلمان کر لیا"

(گویا جبراً مسلمان کرنے کا اِنتقام لیا)

ـــــ "مُسلمان ہو جانے والے، یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے والے مسلمان ہِندوؤں کو حلقہ بگوشِ اسلام کر لیتے تھے"

ـــــ "مُسلمان اسنادوں سے متاثر ہو کر ہِندو لوگ اِسلام اختیار کر لیتے تھے" جوش میں یہ بھی مان لیا ہے، کہ :-

ـــــ "اِسلام اختیار کرنے والوں پر سختی کی جاتی تھی"۔

حقیقتِ حال

آروڑا قوم کے مسلمان ہونے کے محرکات

اور

اُن پر غور

مذہب تبدیل کرنا اِتنا آسان نہیں، جتنا کہ کپڑے تبدیل کر لینا۔ مذہب کی تبدیلی بڑے دِل گُردے کا کام ہے۔ اِس کے لئے بے پناہ اخلاقی جُرأت، اور بے حد و حساب قوّتِ یقین درکار ہے۔ ایک مُلک ترک کر کے دُوسرے مُلک میں چلے جانا آسان ہے، مگر ایک مذہب ترک کر کے دُوسرا مذہب اختیار کرنا ایک کٹھن منزل ہے۔ جس کی راہ میں جان، مال، آبرُو۔ آرام آسائش۔ گھر بار۔ جائداد۔ روزگار۔ بیوی بچے۔ بہن بھائی ماں باپ اور دوست آشنا سب دُنیاوی نعمتیں بازی پہ لگانا ہوتی ہیں۔

اِن سطوُر میں راقم الحرُوف وُہ عوامل شمار کرنا چاہتا ہے، جو ہمارے آباء و اجداد کو تبدیلیٔ مذہب جیسے جان جوکھوں اقدام کے لئے مُحرِک ہوئے، یا ہو سکتے تھے۔

۱۔ **تشدّد**۔ یعنی مسلمان حُکمرانوں کے تشدّد کے ماتحت بالجبر مسلمان کئے جانے کے بارے میں حکیم راج رُوپ صاحب کے بیان سے ہی معلوم ہُوا تھا۔ کہ جہاں تک تشدّد کا تعلق ہے، وُہ اِسلام قبوُل کرنے والوں پر روا رکھا جاتا تھا۔ ان کو طرح طرح کی سزائیں اور عقوبتیں دی جاتی تھیں۔ بیوی بچے چھین لئے جاتے تھے۔ مارا پِٹیا جاتا تھا۔ ہر طرح کا مقاطعہ کر کے ناطقہ بند اور قافیہ تنگ کر دیا جاتا تھا۔

تارِیخ شاہد ہے، کہ شروع سے ہی دعوتِ اسلام قبوُل کرنا مصائب اور آفات کو

دعوت دینے کے مُترادف رہا ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ کی سرگزشت اور دیگر کئی ایک اصحاب رسُولِ اکرمؐ کی قبولِ اِسلام کی داستانیں دردناک اور رِقت انگیز شہادتوں کی صُورت میں موجُود ہیں۔

یہاں برِّعظیم پاک و ہند میں لاہور۔ دِہلی اور آگرہ میں مسلمان بادشاہوں کے پایۂ تخت رہے ہیں اور کیا ان شہروں کے اندر، اور کیا ان کے مضافات میں ہمیشہ ہندوؤں کی اکثریت قائم رہنا اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے، کہ اگر مسلمان حکمرانوں نے ہندو قوم کو بزورِ تشدّد یا بدُونِ تشدّد اسلام میں داخل کرنے کا خیال تک بھی کیا ہوتا، تو آبادی کا تناسب دگرگوں ہوتا۔ بلکہ ہندو سرے سے ختم ہو گئے ہوتے۔ برِّعظیم کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی کی دیوار تک پاکستان ہی پاکستان ہوتا۔

مُؤرخین اور محقِّقین نے تو مسلمان بادشاہوں کو اشاعتِ اسلام کی راہ میں ایک بہت بڑی رُکاوٹ قرار دیا ہے۔ اِس کتاب کے آخری باب میں اِس موضوع پر تاریخ پاک و ہند سے کچھ اقتباسات شامل کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص۲۰۷ تا ص۲۱۱

تشدّد کے ذریعہ کسی کی زبان سے اِقرار کرایا جا سکتا ہے۔ مگر دِل کو نہیں پھیرا جا سکتا ایسے زبردستی کے مسلمان کو اِستقامت کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔ وُہ اپنی پہلی فرصت میں جہاں سے آیا تھا وہاں جا سکتا تھا۔

۲۔ طمعِ نفسانی ۔ دُنیوی مفادات کے پیشِ نظر خوشامد کے طور پر اِس قوم کے اِسلام لانے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ان کے پاس نہ جاگیریں ہیں، نہ پہلے کبھی تھیں۔ جن کے حصُول یا تحفّظ کے لئے ان کو تملّق اور خوشامد سے کام لیتے ہوئے مذہب تبدیل کرنا پڑتا نہ ہی شاہی درباروں، اور حکومت کے مختلف شعبوں میں اس قوم کے افراد اعلیٰ عُہدوں پر

شکن تھے کہ ان کو اپنے منصب بحال رکھنے اور ترقی پانے کی ہوس میں خوشامد کرنا، اور اسلام قبول کرنا ناگزیر ہو جاتا۔

جو لوگ سرکار دربار میں اپنا کوئی مقام رکھتے تھے مثلاً ٹوڈر مل وغیرہ وہ بدستور ہندو تھے۔ مسلمان حکمرانوں کو ان کی رواداری اور سیاسی مصلحتیں اجازت نہ دیتی تھیں کہ کسی کے مذہب میں دخل دیا جائے۔

۳۔ **علمی چھان بین**۔ یعنی وسیع مطالعہ اور تحقیق کے نتیجہ میں مسلمان ہونا۔ اگرچہ یہ طریقہ نہایت ہی معقول اور پسندیدہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عملی طور پر لاکھوں میں شاید ہی کوئی ایک ایسا نومسلم مل سکے جس نے چھان بین کر کے اسلام قبول کیا ہو وجہ اس کی یہ ہے، کہ تحقیق و تفحص کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے جس جذبہ، اور جس جرأت کی ضرورت ہوتی ہے بڑے بڑے بیباک فلاسفروں میں بھی اس کا فقدان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں دنیا کی مانی ہوئی چند ایک علمی شخصیتوں کی آراء قلمبند کی جاتی ہیں۔ جو انہوں نے اسلام اور اسلام کے ضابطۂ حیات قرآنِ حکیم کی شان میں اور حضرت رسولِ عربی محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں بڑی کد و کاوش کے بعد خلوصِ دل سے ظاہر کی ہیں مگر خود انہیں دائرۂ اسلام میں آنے کی اخلاقی جرأت نصیب نہ ہو سکی۔

اُن مفکرین کی تحقیقی آراء جنھوں نے اسلام اور اسلام کے ضابطۂ حیات کو برحق جانا مگر قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی

— "قرآن مجید کی عبارت نہایت فصیح و بلیغ۔ اور مضامین لطیف و عالی ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے، کہ امین ناصح نصیحت کر رہا ہے۔ قرآنِ پاک میں مطالب اتنے ستھرے اور ہمہ گیر ہیں۔ اور ہر زمانے کے لئے اس قدر موزوں ہیں، کہ زمانے کی تمام صلاحیتیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں۔ اور وہ محلوں، ریگستانوں، شہروں اور ملکوں میں گونجتا پھرتا ہے"۔

(ڈاکٹر فرک جرمن)

— "قرآن انتہائی لطیف اور پاکیزہ زبان میں ہے۔ اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے، کہ کوئی انسان اس کی نقل نہیں بنا سکتا۔ یہ لازوال معجزہ مُردہ زندہ کرنے سے کہیں زیادہ ہے"۔

(ڈاکٹر سیموئل جانسن)

— "قرآن ایسا جامع اور روح افزا پیامِ زندگی ہے، کہ ہندو دھرم اور مسیحیت پر کتابیں، اس کے مقابلہ میں کوئی مثال پیش نہیں کر سکتیں"۔

(ڈاکٹر سیل)

"قرآن نے دُنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی اور اصولِ جہانبانی سکھائے"

(ڈاکٹر سٹینلے)

— "قرآنِ پاک مذہبی قواعد و ضوابط کا ہی مجموعہ نہیں، بلکہ اس میں اجتماعی اور معاشرتی احکام بھی موجود ہیں۔ جو تمام دُنیا کے لئے بہر حال مفید ہے"۔ (ڈاکٹر موسیو جین)

مذہبِ اسلام کے متعلق
جارج برنارڈ شا، کی رائے

"مَیں نے جب بھی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب پر غور کیا ہے۔ اِسے بڑی قدر و منزلت سے دیکھا ہے۔ کیونکہ اِس دین میں بڑی حیرت انگیز زندگی ہے۔ میرے نزدیک محمدؐ (صلعم) کا دین ہی ایک ایسا دین ہے، جس میں ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ بلاشبہ دُنیا کو چاہیئے، کہ میرے جیسے بڑے آدمیوں کی پیشین گوئیوں کی پوری طرح قدر و منزلت کرے۔ اور میری پیشین گوئی دینِ محمدیؐ کی بابت یہ ہے، کہ اِمروز و فردا میں یورپ اِس کو قبول کر لے گا۔ مَیں نے اس حیرت انگیز عظیم انسان کی زندگی کا مُطالعہ کیا ہے۔ اور یہ رائے رکھتا ہوں، کہ وُہ نہ حضرت عیسیٰؑ کے مُخالف ہیں، نہ عیسائیت کے۔ بلکہ اُنھیں تو کُل انسانیت کا نجات دہندہ سمجھنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے، کہ اگر محمدؐ (صلعم) جیسا آدمی موجودہ دُنیا کا ڈکیٹر بن جائے۔ تو اُسے موجودہ دُنیا کی اُن تمام اُلجھنوں کو سُلجھا دینے میں ایسی کامیابی ہوگی، کہ دُنیا کو وُہ مسّرت و اَمن و راحت جس کی اسے آج اِس قدر ضرورت ہے، یکسر آ جائیگی۔ گو دَورِ حاضرہ کا یورپ بڑی زبردست ترقّی کر گیا ہے۔ مگر اُنیسویں صدی میں تو یورپ کی اِتنی ترقّی نہ ہوئی تھی اس وقت بھی یورپ میں کارلائل۔ گوئٹے اور گِبن جیسے دیانتدار مفکرین موجود تھے۔ جنھوں نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی حقیقی قدر پہچانی۔ اِس لیئے ان کے زمانہ سے ہی اسلام کے ساتھ

یورپ کا رویہ بدلنا شروع ہو گیا تھا - یہ ایک خوش آیند تبدیلی تھی - پھر یہ صدی آئی تو یورپ میں دینِ محمدیؐ کے ساتھ اور بھی قرب و اُنس پیدا ہونا شروع ہُوا بیسویں صدی تک یورپ کی اقوام کے قدم اس کی طرف زیادہ بڑھ جائیں گے - میرا مقصد یہ ہے کہ یورپ اپنی اُلجھنوں کو حل کرنے کے سلسلے میں محمدؐ (صلعم) کے دین کی افادیت کو اور زیادہ محسوس کرنے لگے گا - (جارج برناڈ شا)

(منقول از "نوائے وقت" ۵- اگست ۶۵ء)

۴۔ **بحث و مناظرہ**:۔ بحث و مناظرہ علمی معلومات میں اضافہ کا ذریعہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر کسی کو قائل کرنے، اور تبدیلیٔ مذہب پر آمادہ کرنے کی سکت اِس میں ہرگز ہرگز نہیں پائی جاتی۔ دلائل و براہین کے انبار اختلافات کی خلیجوں کو پاٹنے کی بجائے وسیع سے وسیع تر کر دیتے ہیں۔

۵۔ **عزّتِ نفس**:۔ یہ محرّک اَلبتّہ نہ صرف آروڑا اور کھتریوں کے لیئے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا ذریعہ بنا۔ بلکہ دیگر ہندو اَقوام کو بھی لاکھوں کی تعداد میں دائرۂ اِسلام میں لے آنے کا موجب ہُوا۔

مشاہدہ بتاتا ہے، کہ برہمنوں نے شاذ و نادر ہی اِسلام قبول کیا۔ اس کی وجہ یہی ہے، کہ ہندو آئین ان کی عزّتِ نفس کو ٹھیس لگنے نہیں دیتا۔

آروڑا قوم نے چونکہ تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا ہُوا تھا۔ اِس لیئے منُو کے مطابق ان کا شمار وَیشوں میں، یعنی تیسرے طبقہ میں ہو سکتا تھا۔

لہٰذا اِس تلخ شمار کے خلاف یہ لوگ ہمیشہ ہاتھ پاؤں مارتے رہتے تھے۔ یہ کبھی اپنے آپ کو کشتری ثابت کرتے تھے، اور کبھی برہمن۔ مگر حقیقی سکون ان کو اسلام کی آغوش میں آکر نصیب ہُوا۔

تاریخ اِس حقیقت کو کبھی نہیں جھٹلا سکتی کہ برِّصغیر میں جس چیز نے سب سے آگے بڑھ کر اسلام کا خیر مقدم کیا وُہ یہاں کی ذات پات کی تمیز تھی۔ ہزار ہا سال سے اُونچ نیچ کے چکّر میں پھنسے ہُوئے اِنسان گویا چشم براہ تھے، کہ کوئی دستگیر آئے اور ان کو قعرِ مذلّت سے باہر نکالے۔ چھیروں اور شُودروں کے لیئے اِسلامی مساوات بے پناہ کشش رکھتی تھی۔ آغوشِ اسلام میں آکر ان کی عزّت صرف

مسلمانوں کے حلقہ میں ہی زیادہ نہیں ہو جاتی تھی۔ بلکہ ہندوؤں کی نگاہ میں بھی ان کا مرتبہ کم از کم عرب سوداگروں جیسا ہو جاتا تھا۔

اسلام کی بدولت رہنے سہنے، کھانے پینے، نہانے دھونے، بول چال اور لین دین کے جو آداب اِن کو آجاتے تھے، وہ ہندو معاشرہ میں بھی ان کی پذیرائی کا موجب ہوتے تھے۔

کالی کٹ کے ایک ہندو راجہ نے جس کا نام پریچنگ آف اسلام مصنفہ آرنلڈ صاحب میں ZAMORIN لکھا ہے[1]۔ اہتمام کیا تھا کہ اس کی مملکت میں مچھیروں کے ہر خاندان میں سے کم از کم ایک فرد کی تربیت مسلمانوں کی سی ہو جائے۔

منو کی درجہ بندی کے علی الرغم اسلام میں مساوات پر اتنا زور دیا گیا ہے، کہ قرآن کریم میں، حدیث شریف میں، اور حضور رسول اکرم کے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے ہوئے خطبات میں انسان کو برابر کا انسان سمجھنے، اور کل مسلمانوں کو باہم بھائی بھائی جاننے کی بار بار تاکیدیں آئی ہیں۔ اس کتابچہ میں مختلف مقامات پر قرآن مجید اور حدیث شریف سے ایسے حوالے شامل کئے جا چکے ہیں، جن میں اخوت اور مساوات کی ہدایات دی گئی ہیں۔ البتہ ذیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات[2] میں سے چند سطور بطور تبرک نقل کی جاتی ہیں۔ جو مساوات اور اخوت کی تعلیم پر مشتمل ہیں۔

"اے لوگو! مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اس کے بھائی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے"۔

---

[1] مقالات پروفیسر محمد شفیع صاحب بخطِ فارسی صیمور۔ زمورن یا سامری لکھا ہے۔

[2] یہ خطبات حدیث شریف کی کتابوں ہی سے اخذ کئے گئے ہیں۔

"اَے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے۔ اور تمہارا ابو الآباء بھی ایک ہی ہے۔ تم سب آدم علیہ السّلام کی اولاد ہو۔ اور آدم علیہ السّلام مٹّی سے پیدا کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزّت مند وُہ ہے، جو زیادہ تقویٰ دکھانے والا ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی کے مقابلے میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اور نہ کسی عجمی کے لئے عربی کے مقابلے میں برتری ہے۔ کوئی برتری ہے تو تقویٰ کی بنا پر۔

آگاہ رہو، کہ مَیں نے بات پہنچا دی۔ اَے اللہ تعالیٰ! تُو خُود بھی گواہ رہیو۔

اُور تم لوگوں سے میرے بارے میں پُوچھا جائے گا، تو اب بتاؤ تم کیا کہوگے؟"

لوگوں نے پکار کر کہا۔ "ہم گواہی دیتے ہیں، کہ آپؐ نے پیغام پہنچا دیا۔ اُمّت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا۔ حقیقت سے سارے پردے اُٹھا دئے، اور امانتِ الٰہی کو کما حقہ، ہم تک پہنچا دیا۔"

"اے لوگو! تم سے پہلے قومیں اسی لئے تباہ ہوگئیں، کہ جب اُن میں کا کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا، تو اُسے چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اُسے سزا دیتے تھے۔ خدا گواہ ہے، اگر میری بیٹی فاطمہؓ نے چوری کی ہوتی تو میں یقیناً اُس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا۔"

. . . .

"خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے، اور نہ کوئی اور اُمّت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سُن لو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو! پنجگانہ نماز ادا کرو۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو،

تمام مسلمان محکوم ہوں یا آزاد، یکساں ذمّہ داریاں اور حقوق رکھتے ہیں۔ اعمالِ دین کے سوا کسی کو کِسی پر فضیلت نہیں۔ تم اپنے غلاموں کو وُہ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور انھیں وُہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ ان پہ نہ کوئی ظلم کرو، اور نہ ان کا کوئی حق چھینو"

پھر حضورؐ نے آسمان کی طرف مُنہ کر کے تین بار فرمایا :۔

"اے پروردگار! تو گواہ رہنا۔ مَیں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا"

لوگوں نے اس پہ بلند آواز سے کہا :۔

"ہاں بے شک آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا"

۶۔ نجاتِ اُخروی کی تمنّا۔ ہندومت نے دُنیوی زندگی کو تو پُر آشوب بنا ہی رکھا تھا۔ آخرت کے بارے میں بھی عام آدمی کے ذِہن کو صاف نہ کر سکا۔ سُوَرگ (بہشت) اور نرک (دوزخ) کے ساتھ نروان (نجات اور مُکتی اور خاتمہ) اور آواگون (تناسخ یا جُونیں بدلنا) کی خبریں بھی دیتا تھا۔ خدا تعالیٰ کو بھگوان مانتے ہُوئے دیوی دیوتاؤں اور بُتوں اور مذہبی رہنماؤں کو بھی بھگوان ہی بتاتا تھا۔ سانپ۔ بندر۔ گائے۔ درخت۔ دریا۔ پہاڑ۔ چشمے۔ چاند۔ تارے اور سُورج عملاً سب اِس کے معبُود و مسجُود ہو کے رہ گئے تھے۔

اِس کے برعکس اِسلام دِین و دُنیا دونوں کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے، وُہ روزِ روشن کی مانند صاف اور واضح ہے۔ کہیں کوئی اُلجھاؤ نہیں، کیا ذِہنی اور کیا رُوحانی کوئی ابہام نہیں، کیا لفظی اور کیا معنوی۔ مثال کے طور پہ یہاں اسلام کے چند ایک موٹے موٹے اُصول لکھے جاتے ہیں جو اپنی سادگی، صفائی، پختگی اور آسان فہمی کی وجہ سے اور نہ قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونے کے باعث اہلِ ہنُود کے دِلوں میں گھر کرتے ہُوئے اُن کو کشاں کشاں اِسلام کی جانب لے آئے اور دُنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبُود کے ضامن ہُوئے۔

اِسلام کی کشش

اِسلام کے موٹے موٹے اصُول

اَللّٰہ تعالیٰ ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اَللّٰہ تعالیٰ ہر جگہ، ہر وقت حاضر ناظر ہے۔

اَللّٰہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اُس کے حکم کے بغیر پتّہ تک نہیں ہلتا۔

اَللّٰہ تعالیٰ جب کچھ کرنا چاہتا ہے، فرماتا ہے: "ہو جا"۔ پس وُہ ہو جاتا ہے۔

اَللّٰہ تعالیٰ غیب دان ہے۔ جو بات کسی کے دِل میں ہے، وُہ بھی اسے معلُوم ہے۔

پیدائِش، مَرگ۔ شادی غمی، رِزق فضل، عزّت ذِلّت، ہدایت ضلالت وغیرہ

سب کچھ اَللّٰہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت محمّد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اَللّٰہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی یا رسُول نہیں آنے کا۔ آپؐ آخری نبی، اور نبیوں کے سردار ہیں۔

آپؐ دونوں جہانوں کے سردار ہیں۔ کُل کائنات آپ کی خاطر وجُود میں لائی گئی ہے۔ آپؐ مثالی اِنسان ہیں۔ آپؐ کی سیرت نبی نوعِ اِنسان کے لئے اعلیٰ نمُونہ کی سیرت ہے۔ آپؐ رحمۃٌ لِلعالمین ہیں۔ آپؐ گنہگاروں کے شفیع ہیں۔

زبُور۔ تورات۔ انجیل اور قرآن برحق آسمانی کُتب ہیں۔

فرشتے اور انبیاءِ کرام برحق ہیں۔

خُدا تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے سوا ہر شئے فانی ہے۔

قیامت کا دِن مُقرّر ہے۔ مرنے کے بعد انسانوں اور جِنّوں کو دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

اور اپنے کیئے دھرے کی جزا و سزا پانا ہے۔ زاں بعد موت سے ہمکنار نہیں ہونا۔

نیکوں کا ٹھکانا جنّت، اور بدوں کا مقام دوزخ میں ہے۔

جو کچھ دُنیا میں ہو رہا ہے، یا ہو چکا ہے، یا ابھی ہونا ہے۔ سب پہلے سے مقدّر ہے۔ اور روزِ ازل سے لوحِ محفوظ پر ثبت ہے۔

روزانہ نمازیں اور رمضان شریف کے روزے فرض ہیں۔

جو اِستطاعت رکھتا ہو اُس پر حج اور زکواۃ ادا کرنا فرض ہے۔

زکواۃ ادا کرنے سے مال کی صفائی اور مال کا تحفّظ ہوتا ہے۔

صدقات اُور خیرات سے بلیّات رد ہوتی ہیں اور مال میں کئی گُنا اضافہ ہوتا ہے (دہ دُنیا، ستر آخر)

عبادت۔ ریاضت اُور ذِکرِ الٰہی سے برکات کا نزُول ہوتا ہے۔ اور تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔

اَللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رسُولِ اکرمؐ پر درُود بھیجتے ہیں۔ اور اَللہ تعالیٰ مومنوں کو رسُولِ اکرمؐ پر درُود بھیجنے کا حکم دیتے ہیں۔

مسلمانوں کو حکم ہے، کہ پُر اُمید رہیں۔ عدل و اِنصاف سے کام لیں۔ سچّی گواہی دیں، خواہ اپنے عزیزوں کے خلاف ہو۔ اَللہ کے خوف کو دِل میں جگہ دیں، عاجزی اختیار کریں۔ رحم کریں۔ کیونکہ جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

معافی دینے، اور معافی چاہنے میں پہل کریں۔

اَللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ توکّل۔ صبر۔ شکر اور قناعت اختیار کریں۔

کفایت شعاری اختیار کریں۔ حلال اور حرام کی تمیز کریں۔ حلال کی روزی

حاصل کریں ۔ محنت مزدوری، اور تجارت کریں ۔ میٹھا بول بولیں ۔ جسم کو پاک رکھیں لباس کو پاک رکھیں اور گندگی سے دُور رہیں ۔

موت کو ہر وقت یاد رکھیں ۔ یقین رکھیں کہ ہر قول اور فعل کی جوابدہی ہونی ہے ۔

حق دار کا حق ادا کریں ۔ خوشی و غمی کا اظہار نماز و دُعا سے کریں ۔

ہر کام سے پہلے دیکھیں کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، وہ جائز ہے ۔ اگر ناجائز ہے، تو باز رہیں ۔

جھوٹ ۔ فریب ۔ چوری ۔ چغلی ۔ ریاکاری ۔ فضول خرچی ۔ بخل ۔ حسد اور تکبّر سے بچیں ۔ سود ۔ شراب اور منشیات کو حرام جانیں ۔ کسی کا حق نہ ماریں، کسی کو ناحق قتل نہ کریں ۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں ۔ نہ ظالم بنیں، نہ مظلوم ۔ زنا سے بچیں ۔ حتیٰ الوسع سوال نہ کریں اور سوالی کو نہ جھڑکیں ۔

بے امید نہ ہوں ۔ کیونکہ مایوسی گناہ ہے ۔

بوقتِ ضرورت راہِ خدا میں جنگ، شہادت اور ہجرت اختیار کریں ۔ اور ان کاموں کے صلہ میں بے پایاں اِنعام پر یقین رکھیں ۔

دشمن کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئیں یعنی بدی کے بدلے میں نیکی کریں، بدلہ لیں تو اِتنا کہ جتنی تکلیف کسی سے پہنچی ہو ۔ جان کے بدلے جان ۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ۔ ناک کے بدلے ناک اور دانت کے بدلے دانت لیں معاف کردیں تو سب سے بہتر ہے ۔

اِسلام میں غصّہ کو پی جانے کا حکم ہے ۔

لوگوں میں فیصلہ کریں، تو عدل سے کریں ۔

ناپ تول میں کمی یا بیشی ہر دو منع ہیں۔

مسلمانوں کے دو گروہ لڑیں، تو اُن میں صُلح کرا دیں۔ پھر اگر کوئی ایک دُوسرے پر زیادتی کرے، تو زیادتی کرنے والے کو روکیں۔ نہ رُکے، تو اس سے لڑیں۔

یقین رکھیں کہ نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

احسان جتانے سے نیکی برباد ہو جاتی ہے۔

تنگی کے ساتھ فراخی لازم جانیئے۔

روزی میں کمی کے خوف سے اَولاد کو ہلاک نہ کریں۔ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ بچّے کا بھی، اور بچّے والے کا بھی۔

مسلمان کو حق حاصل ہے، کہ دُوسروں کو نیکی کی ہدایت کرے اور بُرائی سے روکے۔

مسلمانوں کی امداد کا ذمّہ خود اللہ تعالیٰ اُٹھاتے ہیں۔

مسلمان کو وعدہ وفا کرنے کا حکم ہے۔

مسلمان کا دِل اور زبان ہم آہنگ ہونے چاہئیں۔ جو زبان پر ہو، وہی دل میں ہو۔ اور جو دِل میں ہو، وہی زبان پر ہو۔

اسلام میں حکم ہے، کہ لین دین کرو، تو اُسے لکھ لو۔ کسی کی دستاویز لکھو، تو بلا کم وکاست دیانتداری سے لکھو۔

امانتیں ان کے مالکوں کو بلا حیل وحجّت اَدا کی جاویں۔

یتیم کے ساتھ شفقت سے پیش آویں۔

مسلمانوں کو ہر معاملہ میں باہم مشورہ کرنے کا حکم ہے۔

کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا ممنوع ہے۔ اور اسی طرح بغیر اجازت اُٹھ آنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

جو شخص رسولِ اکرمؐ کو اپنے جھگڑوں میں حَکَم نہ بنائے، یا آپؐ کے فیصلوں کو بہ دِل وجان قبول نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہوتا۔

سب اِنسانوں کو برابر کا اِنسان۔ اور کُل مسلمانوں کو بھائی جانیں۔

اپنے عزیز و اقارب سے حُسنِ سلُوک اور محبت سے پیش آئیں۔

اِحسان کا بدلہ اِحسان سے چکائیں۔

والدین۔ اَولاد۔ عزیز و اقارب۔ رشتہ دار۔ دوست احباب۔ مسافر مسکین۔ یتیم۔ نوکر۔ غلام وغیرہ سب کے حقوق ادا کریں۔ وراثت کی تقسیم شریعت کے مطابق کریں۔ ماں بہن۔ بیوی بیٹی اور دیگر حق دار عورتوں کو ورثہ کا پورا حصہ ادا کریں۔

بیٹی کی ولادت پر رنجیدہ نہ ہوں۔

بیوی کا حق مہر ادا کریں۔

طلاق اور خلع کو بحالتِ مجبوری روا رکھیں۔

علم مسلمان کی وراثت ہے۔

علم حاصل کرنا مسلمان مَرد اور عورت کا فریضہ ہے۔

توبہ سچے دِل سے کی جائے، تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بلکہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں۔

ظاہر ہے، کہ اصُولوں کی یہ فہرست خاصی طویل ہے۔ فی الحقیقت یہ اور بھی طویل ہے۔ کیونکہ ابھی کئی ضروری امُور بخوفِ طوالت لکھنے میں نہیں لائے گئے۔ نیز اِن کی تشریح کی جائے تو لامحالہ یہ مضامین کئی کتابوں پر چھا جانے کے لائق ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ لُطف یہ ہے، کہ ایک عام مسلمان جسے عُرفِ عام میں 'ان پڑھ' کہا جا سکتا ہے، اِن سب اصُولوں سے اِتنا آگاہ ہوتا ہے۔ کہ اِمتحان لیا جائے، تو کھُلے بندوں کامیاب ہو سکتا ہے۔ بلکہ عملی طَور پر اُسے کئی گُنا زیادہ واقفیت اور علمیت ہوتی ہے۔ مثلاً مَیں نے اِس فہرست میں نماز کے متعلق صِرف اتنا لکھا ہے کہ "نمازیں فرض ہَیں" اور عملی طَور پر نماز ادا کرنے کے لئے عمَلی اور عِلمی واقفیت جو ایک عام مسلمان کو ہوتی ہے۔ وُہ بالاختصار بھی بیان کی جائے تو کئی صفحے درکار ہیں۔ تاہم اتنا کہے بغیر رہا نہیں جا سکتا کہ نماز کی تیاری کے لئے مقرّرہ اُوقات۔ پاک جگہ۔ پاک لباس۔ پاک جسم، طہارت۔ وضُو اور بصُورتِ ضرُورت غُسل ضروری ہیں۔ غُسل۔ وضُو اور طہارت کے بھی مسنُون طریقے ہیں۔ اثنائے نماز، نیّت۔ تکبیرِ تحریمہ۔ قیام۔ رکُوع، سجُود۔ قعدہ اور سلام کرنے ہوتے ہیں۔ ہر موقع پر پڑھنے کے لئے۔ ثنَاء الحمَد۔ تسبیح۔ درُود اور دُعائیں اور آداب جدا جدا ہیں۔ مختلف نمازوں کی رکعتیں مختلف ہیں۔ روزانہ پانچ نمازوں کے علاوہ، نمازِ جمعہ۔ نمازِ عید، نمازِ جنازہ اور کئی نفلی نمازیں ہیں جن کے نام بھی یہاں درج نہیں کئے جا رہے، بہرحال نمازیں اَدا کرنے کے لئے ایک عام مسلمان کو کئی مقدّس کلام اور دُعائیں، حفظ کرنا ہوتی ہیں۔ دِن رات کے مختلف وقتوں کا اندازہ رکھنا ہوتا ہے۔ اور دَورانِ سال کی کئی اہم تاریخیں اور دِن مختلف عبادتوں کے اَدا کرنے کے لئے

یاد رکھنے ہوتے ہیں۔

عام بول چال میں بِسمِ اللہ ۔ اِنشاءَ اللہ ۔ ماشاءَ اللہ ۔ سُبحان اللہ شُکر اَلحمدُ لِلّٰہ ۔ لاحول ولاقوۃ ۔ السّلام علیکم ۔ وعلیکم السّلام اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہِ راجعون ۔ لا اِلٰہَ اِلّا اللہ مُحمّدُ رّسُول اللہ کے مفہوم و استعمال سے ایک عام مسلمان آگاہ ہوتا ہے ۔ اور اُسے اللّٰہ کریم اور رسُولِ کریمؐ کے بیشتر اَسمائے حُسنہ کے معانی معلوم ہوتے ہیں۔

اِس سارے بیان سے میرا مُدّعائے اوّل یہ ظاہر کرنا ہے، کہ اِسلام کی برکت سے ایک سیدھا سادا اَن پڑھ مسلمان کتنی تربیت اور تعلیم کا مالک ہوتا ہے۔ اور ثانیاً یہ بتانا مقصُود ہے، کہ اَللّٰہ تعالیٰ کا دِین سمجھنے اور یاد کرنے میں اتنا آسان ہے، کہ بس اِک اشارے میں سب کچھ آجاتا ہے۔ اور حد یہ ہے، کہ اِسلام کے مُندرجہ بالا اصُولوں سے غیر مُسلم بھی ایک حد تک واقف ہیں۔ بلکہ مساوات۔ اُخوّت، توحید اور عورتوں کے حقوق وغیرہ کے معاملہ میں اِسلام کے خوشہ چین ہیں، جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ فی الحال مجھے اُس عہد کا ذِکر کرنا ہے۔ جب ہندوستان کے ہندوؤں نے ابھی چمنستانِ اسلام سے خوشہ چینی کا آغاز نہیں کیا تھا۔ اور کہ گلزار سے پھُول توڑ کر گھر لے جانے کی بجائے چمن میں آشیان بنانا پسند کرتے تھے۔ اِسلام کی خوبیاں دیکھتے تھے اور کلمہ پڑھتے جاتے تھے۔

۷۔ **رفاقت اور تتبع**:۔ یہ محرک بھی عملی طور پر خاصہ مؤثر ہے۔ کیونکہ عملاً انسانوں کی اکثریت اپنی رائے پر انحصار رکھنے کی بجائے، کسی دوسری بڑی شخصیت کی قوتِ فیصلہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی خوگر ہوتی ہے۔ قبیلہ کا بزرگ اگر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا، تو خاندان کے سب افراد بلا چون وچرا اُس کے نقشِ قدم پر دل وجان سے فریفتہ" دینِ قیّم ہو جاتے۔ اور بقایا برادری بھی اِس سوچ میں پڑ جاتی، کہ وہ کہیں دین ودنیا کی اِس لوٹ میں پیچھے نہ رہ جائے۔

جب کوئی راجہ کسی ولی اللہ سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ پالیتا تو اس کے وزیر، مشیر، درباری اور رعایا اس کا ساتھ دینے میں فخر محسوس کرتے۔

باپ کے ساتھ بیٹا۔ بھائی کے ساتھ بھائی۔ پتی کے ہمراہ پتنی اور مترکے سنگ متر بل کر اسلام قبول کرنے میں راحت محسوس کرتے تھے۔

۸۔ **اولیاءاللہ اور علماء کا حسنِ کردار اور فیضِ نظر**:۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے بصیرت کی آنکھیں وا کر کے اُن بے شمار روایتوں اور سرگزشتوں کی روشنی میں دیکھا جائے جو خاص و عام کے مشرف بہ اسلام ہونے کے سلسلہ میں لکھنے پڑھنے سُننے اور دیکھنے میں آئی ہیں، یہی واضح ہوتا ہے، کہ برِّ عظیم پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت کا کام بزرگانِ دین کے کردارِ حسنہ اور فیضِ نظر کا پرتو ہے۔

ان باصفا ہستیوں کی خدمت میں عوام اپنی دنیوی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے، اور مرادیں بر آنے پر جہاں دنیاوی فائدہ پہنچتا، وہاں لوائے اسلام کے سائے میں اُخروی نجات کا سامان بھی ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے، ان بزرگوں کے دم کی برکت سے لاعلاج مریض اچھے ہو جاتے۔ روزگار میں کشائش آجاتی۔ گائے بھینس

دُودھ زیادہ دینے لگتیں۔ زمینوں کی پیداوار بڑھ جاتی۔ لاولد صاحب اولاد ہو جاتے۔ فرزندِ نرینہ کے طلبگاروں کی آس پُوری ہوتی۔ مقدّمات سے نجات اور عہدوں میں ترقّی مِلتی۔ طالبانِ عِلم کو علم۔ اور طالبانِ مولا کو مولا مِل جاتا۔ رُوحانیت اور معرفت کے مراتب اور مدارج طے کر کے ناقص کامل بن جاتے اور کامل، کامل تر ہو جاتے۔ اور چور قُطب بن جاتے۔ مشیّتِ الٰہی اِسی میں تھی کہ غرض کے بندوں کو اپنے بندوں کے قدموں تک پہنچا کر راہِ حق دکھلائی جائے۔ لہٰذا پھُولوں کو رنگ و بُو، اور شمع کو ضیاء بخشنے والے مولا کریم نے اپنے بندوں کو کشف و کرامات سے نواز دیا۔ ان کی دعاؤں کو مستجاب ہونے والی۔ ان کی نگاہوں کو تقدیریں بدل دینے والی فرما دیا۔ دشت و در کو، بحر و بر کو، حجر و شجر کو، اور جنّ و بشر کو ان کے تابع کر دیا۔ فضا و ہوا کو ان کے لئے مسخّر کر دیا۔ طیور و وحُوش کو ان کے لئے رام فرما دیا۔ تاکہ اُللہ تعالیٰ کے یہ دوست معجزاتِ انبیاء کی یادیں تازہ کریں۔ دریا اِن کو راستہ دیتے تھے۔ آگ اِن پر گُل و گلزار ہو جاتی تھی۔ اِن کی مسیحا دمی سے مُردے زِندہ ہوتے تھے۔ سانپوں کو یہ تازیانہ بنالیتے اور شیروں پر سواری کرتے تھے۔ اِن کے سجّادے ہوا میں ان کو لے کر تختِ بلقیس کی مانند اُڑتے تھے، اور سطحِ آب پر کشتیوں کا کام دیتے تھے۔ زمان و مکان کی قیوُد ان سے اُٹھ جاتیں، آنکھ جھپکتے میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے۔ دُوسروں کو پہنچا دیتے۔ لوگ پروانوں اور تتلیوں کی مانند جوق در جوق ان کے حضُور کھچے چلے آتے۔ غریب آتے غریب نواز آتے۔ راجے رانے۔ رائے آتے۔ وزیر باتدبیر آتے۔ شاہ و شاہنشاہ برہنہ پا آتے اور جس نیّت سے آتے بہ فضلِ خدا فائز ہو کر جاتے۔

اِن کے سُوکھے ٹکڑے ہفت اقلیم کی بادشاہی کے مترادف ہوتے۔ اور اِن کا جھوٹا کھا لینے والوں کو گویا دو جہان کی دولت میسّر آجاتی۔

ہمارے اِسلام لانے کے سِلسلہ میں اِن مُحرّکات کا اثر

یہاں جو موٹے موٹے آٹھ مُحرّکات بیان کئے گئے ہیں اِن میں سے پہلے چار یعنی تشدُّد۔ طمعِ نفسانی۔ عِلمی تحقیق اور بحث و مناظرہ کا جیسا کہ اشارۃً ظاہر کیا جا چکا ہے، ہمارے آباء کے اسلام لانے میں مطلقاً دخل نہیں پایا جاتا۔ البتّہ بقایا چار مُحرّکات عِزّتِ نفس۔ نجاتِ اُخروی کی تمنّا رفاقت و تتبّع اور اَولیاءَ اللہ کا فیضِ نظر بتدریج موثر اور کارگر پائے جاتے ہیں۔ اور اِن میں سے بھی، کوئی مانے یا نہ مانے حقیقت یہی ہے کہ سب سے زیادہ کارگر آخری مُحرّک ہے۔ اَولیاء کرام کی قبولیّتِ دُعاء۔ کشف و کرامات اخلاقِ حسنہ۔ مواعظِ دل پذیر۔ علم و عمل اور شیریں کلامی سخت سے سخت دِل کو بھی رام کر لیتی تھی۔ اور قرائن سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ ہمارے آباء و اجداد کو مشرّف بہ اِسلام ہونے کی سعادت اِنہی حضرات کے درِ فیض سے نصیب ہوئی۔

یہ

اِسلام پھیلانے والے

مُشتے

ز

خروارے

حضرات بی بی پاک داماں
کا
لاہور میں ورودِ مسعود

دُوسری صدی ہجری کے زیادہ سے زیادہ دُوسرے عشرہ میں جنابِ مُرتضٰی حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی صاحبزادی اور حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کی خواہر حضرت بی بی رقیہؓ المعرُوف بی بی حاج رضی اللہ عنہا۔ سیّد الشّہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرمان کے ماتحت براستہ ایران واردِ ہند ہو کر لاہور میں تشریف لائیں۔ ان کے شوہرِ نامدار حضرت مسلم رضؓ کی پانچ خواہریں یعنی حضرت عقیل رضؓ کی صاحبزادیاں۔ حضرت بی بی تاج۔ بی بی حُور۔ بی بی نُور۔ بی بی گوہر اور بی بی شہباز اُن کے ہمراہ تھیں۔ ان کے قافلہ میں کئی ایک حافظ۔ عالِم اور اولیاءَ اللہ بھی آئے تھے۔ ان سب کی برکت سے کُفرستانِ ہند میں نُورِ اسلام کی ضیا باریاں ہُوئیں۔

لاہور کے راجہ برماستری یا جہابرن کا ولی عہد بکرما سہا ان پاک ہستیوں کو اپنے باپ کے دربار میں لے جانے پر مامُور ہوا جو بڑی بی بی صاحبہ کی نگاہ کی تاب نہ لاتے ہُوئے بے ہوش ہوگیا۔ اور ہوش آنے پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ محمّد جمال یا عبداللہ اس کا نام تجویز ہوا۔ مگر بعد میں بابا خاکی کے نام سے مشہُور ہوا۔

حضرات بی بی پاک داماں کے مقابر پہلے سُلطان محمُود غزنوی نے تعمیر

کرائے تھے ۔ بعد ازآں اکبرِ اعظم نے بنوائے ۔ جو لاہور میں ریلوے ہیڈ کوارٹرز کے نزدیک مرجعِ خاص و عام ہیں ۔ اور ان پاک دامان بیبیوں کے قافلہ کے ساتھ آئے ہُوئے حافظ ابُو الفتح ۔ حافظ ابُو الفضل ۔ حافظ ابُو المکارم ۔ حافظ عبدُاللہ اور بی بی تنوری کے مزار بھی یہیں ہیں ۔

حضرت شیخ ابو الحسن علی مخدوم ھجویری
المعروف
داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے شیخ حضرت ابو الفضل بن حسن خطبی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے ماتحت سنہ ۴۳۱ھ (۱۰۳۹ء) میں تبلیغِ دین پر مامور ہو کر اُس روز لاہور میں وارد ہوئے جس دن اِن کے پیر بھائی اَور پیش رَو حضرت حسین زنجانی علیہ الرحمۃ جن کی جگہ ان کی تقرری ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔

داتا صاحبؒ اپنے زمانہ کے جیّد عالم تھے آپؒ کی تصنیفات میں سے "کشف المحجوب" مسائلِ تصوّف کے بارے میں ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

آپ نے چونتیس (۳۴) برس تک پنجاب کے دِل لاہور میں اِسلام کی روشنی پھیلا کر سنہ ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء) میں داعیٔ اَجل کو لبّیک کہا۔

لاہور میں جس رشکِ جناں قطعۂ ارضی کو یہ شرف حاصل ہوا، کہ آپ نے اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا۔ وہاں اب تک رحمتوں اور برکتوں کی مسلسل بارشیں جاری ہیں۔ اَور اِنشاءَ اللہ تا ابد جاری رہیں گی۔ کیونکہ وہیں آپ کا مزارِ شریف بنا ہے۔ اور وہیں وُہ مسجد آباد ہے جس کی بُنیاد آپ نے آج سے نَو سَو (۹۰۰) برس قبل رکھی تھی۔ اَور خدا معلوم صبح سے شام تک، اور شام سے صبح تک کتنے دَور قرآنِ پاک کے یہاں ہو جاتے ہیں۔ اور کتنے لاکھ تسبیح، تحمید اور تہلیل کے وِرد

یہاں پڑھے جاتے ہیں۔ اور کتنے ہزار زائرین روزانہ یہاں توبہ استغفار کر کے، اپنے باطن کو صیقل کرتے ہیں۔ اور کتنے گنہگار بندے اور کتنے اولیاء اللہ اس مستجابُ الدّعوات مقام پر کس کس کے حق میں دُعائے خیر، اور کس کس کے حق میں دُعائے مغفرت کر جاتے ہیں۔ یہی وُہ جگہ ہے جہاں سُلطانُ الہند حضرت مُعینُ الدّین چشتی علیہ الرّحمۃ نے چلّہ کھینچا اور نہ جانے کیا پایا کہ سرمست و سرشار ہو کر ایک ایسا نعرہ مار گئے۔ جس کی گُونج اور گرج روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے ؎

گنج بخشِ ہر دو عالم، مظہرِ نورِ خُدا
کاملاں را پیرِ کامل، ناقصاں را رہنما

عین اُس جگہ پر جہاں حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نشست فرمایا کرتے تھے، آج کل سنگِ مرمر کا ایک لگن نصب ہے۔ جسے چشمہ ہُر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس چشمہ سے لوگ پانی لے کر اپنی رُوحانیت کو تازگی اور چشم و دِل کو طراوت پہنچاتے ہیں۔

داتا گنج بخش علیہ الرّحمۃ کے دستِ مبارک سے لاہور میں سب سے پہلے جس شخص کو دَولتِ ایمان و اِیقان نصیب ہُوئی وُہ یہاں کا ایک مقتدر ہندو رائے راجُو تھا جو سُلطان مودُود ابنِ مسعُود غزنوی کی طرف سے لاہور کا ناظم تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک بُڑھیا دُودھ کی مٹکی اُٹھائے اِدھر سے گزری، تو

؎ تحقیقاتِ چشتی کے صفحہ ۱۹۰ پر یہ شعر اسی طرح درج ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اُس سے قدرے دُودھ طلب فرمایا
بُڑھیا نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ وُہ رائے راجُو کے لئے دُودھ
لے جا رہی ہے۔ اگر دُودھ وہاں نہ پہنچایا گیا تو ان کی گائے بھینسوں کے
تھنوں سے دُودھ کی جگہ خوُن برآمد ہونا شروع ہو جائے گا۔

آپ نے اس بُڑھیا کو تسلّی دیتے ہُوئے فرمایا، کہ خون نہیں
نکلے گا، بلکہ دُودھ بڑھ جائے گا۔ چنانچہ بُڑھیا نے آپ کی خدمت میں
دُودھ پیش کر دیا۔ آپ نے بقدرِ ضرورت دُودھ لے لیا اور باقی
دریا میں اُنڈیل دیا۔ اس ضعیفہ کے جانوروں کا دُودھ واقعی بے حد و
حساب بڑھ گیا۔ نتیجہ یہ ہُوا، کہ اور لوگ بھی رائے راجُو کا حِصّہ حضرت
کی خدمت میں نذر گزارنے لگے۔

اِس مزاحمت سے متاثّر ہو کر رائے راجُو جو خوُد یوگ کا عامل
تھا۔ حالات دیکھنے اور مقابلہ کرنے کے ارادہ سے آیا اور حضرت داتا
صاحب علیہ الرّحمۃ سے مرید کوئی کرامت دیکھنے کا خواہاں ہوا۔ مگر
آپ نے فرمایا کہ آپ کے پاس کوئی کمال ہے تو دکھلائیے۔

رائے راجُو نے استدراج کے عمل سے کچھ خوارقِ عادت کام دکھلائے
اور اخیر میں جب اپنا یہ شاہکار پیش کیا کہ ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ تو داتا حضوُر
کے نعلین آپ کا اشارہ پا کر اُس یوگی پر برسنے لگے۔ اس کفش کاری سے
عاجز آ کر رائے راجُو تائب ہُوئے اور مشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ حضرت داتا
صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے شیخ ہندی کے خطاب سے نوازا۔ بعد میں

رائے راجُو کی اَولاد، حضرت داتا گنج بخش رح کی درگاہ کی جاروب کشی اور مجاوری پر متعین ہُوئی۔ تا آنکہ محکمۂ اوقاف مغربی پاکستان نے آستانۂ عالیہ کا نظم و نسق اپنے اختیار میں لے لیا۔

حضرت داتا گنج بخش رح کی مسجد کی سَمت کی نِسبت بعض عُلماءِ دین کو اس زمانہ میں شک گزرا تھا کہ راست نہیں ہے۔ جب حضرت داتا صاحب رح کو معلوم ہوا، تو آپ نے مُعترضین کو بُلا کر اُس مسجد میں نماز پڑھائی، تو خُدا کے کرم سے سب کو خانۂ کعبہ کی زیارت ہوگئی اور مسجد کا رُخ درست پایا گیا۔

برِ صغیر میں
اشاعتِ اسلام سے متعلّق چند حوالے
از
مقالاتِ دینی و علمی حصّہ اوّل
جو
پروفیسر مولوی محمّد شفیع ایم۔اے کنٹب ڈی او ایل ستارۂ پاکستان
صدرِ شعبۂ دائرۂ معارف اُردو نے
سنہ ۱۹۶۰ء میں ریڈیو پاکستان پر نشر فرمائے۔

. . . .

صد ۲۶۸ ا " فتوحاتِ اسلامیہ بلاذری کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں مہلّب بن ابی صُفرۃ نے سنہ ۴۴ھ میں ہندوستان کی سرحد پر حملہ کیا۔ اور وہ بنّہ اور لاہور تک پہنچا۔ جو مُلتان اور کابُل کے درمیان ہیں۔ گمان ہوتا ہے، کہ ان مقامات سے بنُّوں اور لاہور مراد ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو عساکرِ اسلام سب سے پہلے خشکی کے راستے سے اس زمانے میں پنجاب پہنچے۔ اِس کے بعد حجّاج بن یوسف نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سنہ ۸۶ تا ۹۶ھ کے زمانے میں اپنے نوجوان چچیرے بھائی محمّد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ کو ایک مُہم بھیجی . . . .

. . . . . البیرُونی نے جو پنجاب میں ایک عرصہ مقیم رہا ہمیں یہ حتمی اطّلاع دی ہے، کہ محمّد بن قاسم کی فتوحات کا سِلسلہ سندھ کے بعد ایک طرف کنوج (قنّوج)

تک پہنچا۔ اور دوسری طرف اُس نے سرزمینِ گندھارا کو روند ڈالا۔ واپسی میں محمدؒ بن قاسمؒ نے کشمیر کو بھی پے سپر کیا۔ . . . .

محمدؒ بن قاسمؒ نے بعض مقامات کو جنگ سے اور بعض کو صلح سے لیا۔ لیکن اہلِ سندھ وہند کو اپنے مذہب پر قائم رہنے دیا۔ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے خود اسلام قبول کرنا چاہا۔"

ص۱۴۷ "خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے سنہ ۹۹ ھ میں ملوکِ سندھ کو دعوتِ اسلام دی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور عربی نام رکھ لیے۔"

ص۱۴۸ "چوتھی صدی (ہجری) کے آخر اور پانچویں صدی کے ابتدا میں پنجاب میں نشرواشاعت کا کام زور شور سے ہونے لگا۔ مبلغانِ اسلام میں فضلِ تقدم شیخ اسمٰعیلؒ کو ہے۔ ان بزرگوار نے سنہ ۳۹۵ ھ کے اواخر میں لاہور میں تفسیر اور حدیث کا درس دیا۔ سنہ ۴۴۸ ھ میں وفات پائی۔"

ص۱۵۱ "چھٹی۔ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری پنجاب میں اسلام کی اشاعت کے اعتبار سے نہایت اہم صدیاں ہیں۔

شیخ الاسلام بہاءالدین ابو محمد زکریاؒ اور اُن کے معاصر شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمہا اللہ اور مخدوم جہانیاں اُچی اور ان بزرگوں کے مرید اس زمانہ میں محوِ عمل تھے۔"

ص۱۵۳ "جناب داؤد شیر گڑھی نے مغلوں کے زمانہ میں اہم تبلیغی کام سرانجام دیا بداؤنی جو ان کی خدمت میں حاضر ہوا لکھتا ہے:۔

"میں چار دن اُن کی خدمت میں مقیم رہا اور کم ہی کوئی دن تھا جس میں

سو سو، پچاس پچاس ہندو خیل و تبار سمیت اسلام نہ لائے"

ص۱۵۹ "مروج الذہب کا مصنف مشہور جہاں گشت سیاح مسعودی سنہ ۳۰۴ھ میں اس ساحل پر پہنچا (ساحلِ مالابار) وہ لکھتا ہے کہ صیمور یعنی چول میں اس وقت دس ہزار کے قریب مسلمان باشندے تھے۔ ان میں کچھ تو 'بیاسرہ' یعنی وہ لوگ ہیں جو عربوں کی اولاد تھے۔ مگر جن کی مائیں ملکی تھیں"۔

ص۱۶۶ "حاصل کلام کا یہ ہے کہ مسلمان پہلی ہی دو تین صدیوں میں ہندوستان کے بلاد ساحلیہ شرق و غرب پر چھا گئے۔ . . . . وزارت و نیابت اور تجارت سے ملک کے انتظام اور اس کے مالیات میں اہم سے اہم مرتبہ پایا۔ اشاعتِ دین کی۔ مدارس۔ مساجد و مقابر بنائے۔

ص۱۶۶ " بابا فخر الدین سیستان کے بادشاہ تھے۔ تخت سے دست بردار ہو گئے، حج و زیارت کی۔ خواب میں ہدایت ہوئی . . . . دو صد فقیروں کے ہمراہ تبلیغ کے لئے نکلے۔ بابا نے کرامت دکھا کر راجہ کو مسلمان کیا۔ راجہ کی وجہ سے آس پاس کے اور بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے"۔

ص۱۶۷ " بقول ابن بطوطہ۔ ایک مغربی بربر حافظ ابو البرکات نامی نے کرامت دکھا کر ایک عفریت کو بھگا دیا۔ اس پر جزیرہ مالدیو کا راجہ شنورازہ مسلمان ہو گیا۔"

نشر و اشاعتِ اسلام

بحوالہ

پریچنگ آف اِسلام

مُصنّفہ

طامس والکر آرنلڈ

پریچنگ آف اسلام صہ

"جنوبی ہند کے راوُتن (RAVUTTAN) قوم کے افراد اسلام قبول کرنے میں ایک مشہور بزرگ سیّد نادر شاہ رح ۱۰۳۹ھ-۹۶۹ء کے مرہُونِ منّت ہونا بیان کرتے ہیں۔ یہ بزرگ عرب۔ ایران اور شمالی ہند کا دورہ کرنے کے بعد ترچناپلی میں مستقل طور پر آباد ہو گئے اور اپنی بقایا زندگی زہد، عبادت اور تبلیغِ دین میں بسر فرمائی۔ اِن کے طفیل ہندو لوگ کثیر تعداد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ان کا مقبرہ زیارت گاہِ عام ہے۔ اور ان کے عقیدتمندوں نے اپنے ہادی کے نامِ نامی سے منسُوب کرتے ہوئے ترچناپلی کو نادر نگرہ کا نام دے دیا تھا۔"

پریچنگ آف اِسلام صہ

"سیّد ابراہیم شہید جن کا مزار اِیراوتی (ERAVADI) میں موجود ہے۔ بارھویں صدی کے وسط میں جنوبی ہند میں رشد و ہدایتِ عام اور تبلیغِ اسلام کے کام میں مصروف رہے۔ اِن کا ذِکر مدراس ڈسٹرکٹ گیزیٹیئر ترچناپلی جلد اوّل صہ ۳۳۸ مدراس ۱۹۰۷ء میں ملتا ہے۔

پریچنگ آف اسلام صـ ۲۸۹

مالابار سے ہی چل کر اِسلام جزائر لکادیپ اور مالدیپ میں پہنچا۔ جہاں اِس وقت سَو فیصد مسلمانوں کی آبادی ہے۔ عرب سَوداگر اِن جزیروں میں آباد ہوگئے، اور مقامی آبادی سے رشتہ ناطہ کر کے اُن میں گھُل مل گئے۔ ۱۲۰۰ء میں یہاں کا حکمران مسلمان ہوگیا۔ اِسلامی نام احمد شاہ نورازہ رکھا۔ قرائن سے پایا جاتا ہے، کہ ان جزائر میں اِسلام ۹۰۰ء سے شروع ہوگیا تھا۔

(بحوالہ H. C. BELL : THE MALDIVE ISLANDS
P.P. 23-5, 57-8, 71 COLOMBO 1883)

جنوبی ہند میں مسلمانوں کا ایک اور سلسلہ DUDEKOLAS دُھونئے سُوت اور کپڑے کا کام کرنے والے حضرت بابا فخرالدّین کے ہاتھ پر مسلمان ہونا بیان کرتے ہیں۔ جن کا مرقد پینو کونڈا میں مرجع خاص و عام ہے۔
حضرت بابا فخرالدّین علیہ الرّحمۃ کے متعلق مشہور ہے؛ کہ آپ سیستان کے بادشاہ تھے۔ اور اپنے بھائی کے حق میں تخت سے دست بردار ہو کر جذبۂ ایمان سے سرشار حرمین شریفین کی زیارت اور حج سے مشرّف ہوئے۔ اور اِنہیں خواب میں رسُولِ کریمؐ کی جانب سے ہندوستان جانے کی ہدایت ہوئی۔ چنانچہ ترچناپلی میں آکر حضرت نادر شاہ سے بیعت کی اور دو صد مبلّغین کی ہمراہی میں پینو کونڈا (PENO KONDA) میں ایک مندر کے قریب ڈیرے ڈال دئے۔ وہاں کے ہندُو راجہ کو ان کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ مگر بجائے سختی سے اُٹھانے کے

وہ ان کی آزمائش اور امتحان لینے لگا۔ چنانچہ مندر کے ہندو پجاری اور حضرت بابا جی کو علیحدہ علیحدہ چونا ڈال کر دو بوریوں میں بند کر دیا، اور بوریاں تالاب میں ڈلوا دیں۔ پجاری بے چارہ تو چونے میں گل سڑ کر مع بوری غرقاب ہوگیا جب کہ بابا فخر الدینؒ نزدیک کی پہاڑی پر سے نمودار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر راجہ نے اسلام قبول کر لیا۔ جس کی تقلید میں راجہ کی رعیّت فوج در فوج مشرّف بہ اسلام ہوئی۔ مندر کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا اور بابا جی اس کے متولّی مقرّر ہوئے۔

(بحوالہ مدراس ڈسٹرکٹ گیزیٹیئر اننت پور جلد نمبر ا صفحہ ۱۹۳-۱۹۴ مدراس سنہ ۱۹۰۵ء

پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۸۱-۸۲

حضرت سیّد جلال الدّین رحمۃ اللہ علیہ جو سنہ ۱۱۹۰ء میں بخارا میں پیدا ہوئے، اور سنہ ۱۲۴۴ء میں بمقام اُچ واقع علاقہ بہاول پور میں نزولِ اجلال فرما کر یہاں کے گرد و نواح میں اَن گنت باطل پرستوں کو راہِ حق کی راہ نمائی فرمائی۔ ان کی اَولاد میں بڑے بڑے اَولیاء ہوئے ہیں۔ اِن کے پوتے حضرت سیّد احمد کبیرؒ نے، جو مخدوم جہانیاں کے عُرف سے مشہور ہیں پنجاب میں کئی ایک پورے پورے خانوادے اَور خاندانوں کو مُسلمان کیا ہے۔ اُچ شریف سے ایک میل مشرق میں حضرت حَسن کبیر الدّینؒ بن سیّد صدر الدّینؒ کا مزار واقع ہے۔ ان دو بزرگ باپ بیٹوں نے بے شمار ہنود کو آغوشِ اسلام میں لیا۔ اور حضرت کبیر الدّینؒ کے متعلّق تو مشہور ہے، کہ اِن کی نگاہ میں وہ تاثیر تھی، کہ جس کافر پر پڑ جاتی وہ کلمہ پڑھے بغیر نہ رہ سکتا۔

ع نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

پریچنگ آف اسلام صہ ۲۸۰

"شیخ جلال الدین تبریزی (وفات سنہ ۱۲۴۴ء) جو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ بنگال میں تبلیغ دین فرماتے رہے اور اپنے کشف وکرامات سے بے شمار لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ روایت ہے کہ ایک ہندو گوالے کو صرف ایک نظر سے مسلمان کر لیا تھا۔ (Blochmann, OP CIT P 260)

تیرھویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں پنجاب کے علاقہ میں حضرت بہاء الحقؒ ملتانی اور حضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ (پاک پتن) نے اور ان کے مریدانِ باصفا نے اپنی نظرِ فیض اثر سے کئی برادریاں حلقہ بگوشِ اسلام فرما دیں۔ ایک مورّخ نے اُن سولہ قبیلوں کی تفصیل بیان کی ہے، جو حضرت شکر گنج علیہ رحمۃ کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(بحوالہ اصغر علی۔ جواہر فریدی صہ ۳۹۵ لاہور سنہ ۱۸۸۴ء)

پریچنگ آف اسلام صہ ۲۸۱

ہندوستان کے اولیاء کرام میں حضرت معین الدین چشتیؒ کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ آپ سیستان (Sajistan) کے متوطن تھے۔ سنہ ۱۲۳۴ء میں اجمیر میں وفات پائی۔ ہندوستان میں تشریف لانے کی بابت روایت ہے، کہ آپ کو مدینہ منورہ میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے ملکِ ہند آپ کے سپرد فرمایا ہے۔ وہاں چلے جائیے اور اجمیر میں قیام کیجئے۔ بعونِ ایزدِ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے

مُریدانِ باصفا کے یُمن سے اُس ولایت میں دینِ حق اشاعت پذیر ہوگا۔ چنانچہ سُلطانِ ہند حضرت مُعینُ الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بہ تعمیلِ ارشاد اجمیر میں وارد ہو گئے۔ جہاں اُن ایام میں ایک ہندو راجہ کی فرمانروائی تھی اور بُت پوجے جاتے تھے۔ یہاں مسلمان ہونے والا پہلا شخص ایک یوگی تھا جو راجہ کا گُرو تھا۔ رفتہ رفتہ ایک جمِ غفیر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ دُور دُور سے خلقِ خُدا آتی اور نُورِ اسلام سے اپنے ظاہر و باطن کو روشن کر کے جاتی۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ اجمیر جاتے ہُوئے اثنائے راہ صرف دہلی میں سات سو افراد نے ان کے دستِ مبارک پر کلمۂ شہادت پڑھا۔

پریچنگ آف اسلام ص ۲۶۹

"بیسویں صدی کے پہلے تین سالوں میں مُنّت الاسلام سبھا' پُنانی (DONNANI) علاقہ مالابار میں سالانہ اوسطاً سات سو پچاس نومسلوں کو اسلام سکھلاتی رہی"۔

(بحوالہ ہندوستان کی مردم شماری سنہ ۱۹۱۱ء کی رپورٹ جلد XII حصہ اوّل ص ۵۴)

نشر و اشاعتِ اسلام، کے متفرق حوالے

شیخ اسمٰعیلؒ

بُخارا کے مشہور و معرُوف ساداتِ کرام میں سے ایک بزرگ شیخ اسمٰعیلؒ ۱۰۵۰ء میں لاہور میں تشریف لائے۔ اُن کے متعلق مشہور ہے، کہ جو غیر مُسلم اُن سے ملاقات کرتا، وُہ اِتنا زیادہ مُتاثر ہو جاتا تھا کہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ ٹھٹھ کے ٹھٹھ لوگ ان کے مواعظ حسنہ سُننے کے لئے آتے، اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر جاتے۔

(بحوالہ خزینۃ الاولیاء جلد ۲۔ صفحہ ۲۳ غلام سرور)

اِن کے مزار کا جلال

رات کو کوئی شخص یہاں نہیں رہتا۔ اگر رہتا ہے، تو خوف آتا ہے۔ اور اعضاء شِکنی ہونے لگتی ہے۔ اس باعث سے کوئی جُرأت شب باشی کی نہیں کرتا۔

(تحقیقاتِ چشتیہ صفحہ ۱۷۹)

شیخ اسمٰعیلؒ لاہوری ۱۰۵۰ء میں لاہور میں تشریف لائے۔ لاہور میں تفسیر و حدیث کا مدرسہ اِنہی نے قائم فرمایا۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے، کہ لاہور میں تشریف لانے کے بعد دُوسرے جمعہ کو پانچ سَو آدمی، اور تیسرے جمعہ کو ایک ہزار آدمی اُن کی تبلیغ سے داخلِ اسلام ہُوئے۔

(تذکرہ صُوفیائے پنجاب صفحہ ۱۴۰)

سیّد اسحاق گازرونی

سیّد اسحاق گازرونی لاہوری مشہور بہ میراں شاہ اشارۂ غیبی کی بنا پر لاہور تشریف لائے۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا، کہ لاہور کے جلیل القدر عُلماء اور سادات ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور ظاہری و باطنی امور میں اُن سے مدد چاہتے تھے۔ جو شخص بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ہدایت سے سرفراز ہو کر جاتا۔

تحفۃ الواصلین میں ہے، کہ ایک متموّل شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ لیکن شیخ اُس کی طرف متوجّہ نہیں ہوئے۔ وُہ نہایت برہم ہو کر آپ کو گالیاں دینے لگا۔ لیکن آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ چہرے پر بھی کسی قسم کی خفگی کا اثر ظاہر نہیں ہُوا۔ جب وُہ شخص بہت دیر تک آپ کو بُرا بھلا کہتا رہا، تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی شخص نے آپ سے کہا، کہ یہ بدتمیز اتنی دیر سے آپ کی شان میں گستاخیاں کر رہا ہے۔ آپ اس کے لئے بد دُعاء فرمائیے۔ تاکہ یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔ آپ نے دُعاء کے لئے ہاتھ اُٹھائے، اور کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دُعا فرماتے رہے۔ ابھی آپ دُعاء ختم نہ کر پائے تھے، کہ وُہ بے ادب زمین پر بے ہوش ہو کر گرا اور تقریباً دو گھنٹوں کے بعد جیسے ہی ہوش میں آیا اُٹھ کر شیخ کے قدموں میں گرا۔ معافی چاہی، اور شیخ کا مُرید ہو گیا۔ پھر آپ نے حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ مَیں نے اس شخص کے حق میں دُعائے خیر کی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اس کو نیک توفیق بخشی، اور اس پر اسرارِ باطن عیاں ہو گئے۔ یہ بہتر ہے، یا وُہ بہتر تھا کہ مَیں اس کے لئے بد دُعاء کرتا اور یہ اپنی سزا کو پہنچتا۔ وفات ۷۸۶ھ ہجری

گور (بنگال) کے راجہ کنس کے بیٹے جٹ مل کا میلانِ طبع اِسلام کی طرف تھا چنانچہ سنہ ۱۴۱۴ء میں باپ کی وفات پہ اس نے اپنی ریاست کے جُملہ حُکام کو طلب کر کے واشگاف الفاظ میں اِنکشاف کر دیا، کہ وُہ مذہب اسلام اختیار کرنا چاہتا ہے، اور کہ اگر اس کا یہ ارادہ اُمراء اور وُزراء کو پسند نہ ہو، تو وُہ بڑی خوشی سے اپنے بھائی کے حق میں راج پاٹ سے دستْ بر داری دینے کو تیار رہے۔ مگر حلقہ بگوشِ اسلام ضرور ہو گا۔ جس پہ درباریوں نے شہزادہ کو یقین دلایا کہ وُہ جو چاہے مذہب اختیار کر لے انہیں بہ حیثیت بادشاہ وُہ منظور ہے۔ چنانچہ شہزادہ نے کئی عُلَماء، اور صُوفیاء، اور اپنے وزیروں مشیروں کے مجمع میں ہِندُو مذہب ترک کیا اور مسلمان ہو کر اپنا اسلامی نام جلال ُالدّین محمّد شاہ رکھ لیا۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ اُس کے عہدِ حکومت میں اور بھی بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہُوئے۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ بنگال میں ساڑھے پانچ سَو سال کی اِسلامی بادشاہتوں میں صِرف ایک اسی کے عہد میں ہنُود کو سختی سے مسلمان کیا گیا۔

بحوالہ

Gaur: its ruins and inscriptions by J. H. Raven shaw P. 99 (London)

نورِ اسلام کی ضیا پاشیوں کے ذرائع طائرانہ نظر میں

سرزمینِ عرب میں حضور سردارِ دو جہاں ﷺ کی بعثت کے فوراً ہی بعد اسلام کی روشنی ہندوستان کے سواحل تک پہنچ گئی تھی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ہندوستان کے ساتھ عرب سوداگروں کے تجارتی تعلقات بہت پہلے سے قائم تھے۔ انگریز، فرانسیسی اور پرتگیز ابھی آنکھیں بھی کھول نہ پائے تھے جب عربوں کے بیڑے ہندوستان، لنکا۔ مالدیپ اور چین کی حدود سے آگے تک تجارتی مالوں کے تبادلہ میں مصروف تھے۔ اور ان ممالک کے رؤساء سے عرب سوداگروں کے دوستانہ مراسم اُستوار تھے۔ چنانچہ ہندوستان میں پہلے پہل ساحلِ مالابار پر پہلی صدی ہجری میں انہی تاجرانِ عرب کے ذریعہ پیغامِ توحید پہنچا۔ پہلی صدی ہجری کے معنی ہیں ساتویں صدی عیسوی۔ یاد رہے کہ یورپ والوں کے لئے ہندوستان کا بحری راستہ واسکوڈے گاما نے پندرھویں صدی کے اختتام پر ۱۴۹۸ء میں دریافت کیا تھا۔ عرب جہاز ران یورپ کے مقابلہ میں کم از کم آٹھ سو سال پہلے سمندری راہ اور ہندوستان سے آگاہ تھے۔

اُس زمانہ میں حکمرانوں کی نگاہ میں سوداگروں کی بہت قدر ہوتی تھی۔ وہ سوداگروں کو ہر طرح کی آسائش و تحفظ مہیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عرب سوداگر کھلے بندوں ہندوستان میں آجا سکتے تھے۔ ان تازہ مسلمان عرب تاجروں

نے اپنے اسلامی کردار سے ہر کہ ومہ کا دل موہ لیا۔ اسلام کے یہ ایسے نمونے تھے کہ ان کو دیکھ کر دُنیا نے راستبازی اور مسلمان کو لازم و ملزوم قرار دے دیا۔ ان کے حاصل کئے ہوئے اعتماد اور اعتبار کا یہ عالم ہے، کہ آج چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی مردِ مسلمان سے جھوٹ، چوری، غیبت، بد دیانتی غرض کوئی بھی سفلی حرکت متوقع نہیں ہوتی۔ اور یہی وجہ ہے، کہ مسلمان سے جب کوئی ناکردنی سرزد ہو جاتی ہے۔ تو لوگ اُسے یہی کہہ کر ٹوکتے اور باز رکھتے ہیں، کہ مسلمان ہو کر ایسی حرکت؟ اِن عرب تاجروں سے متاثر ہو کر برِ صغیر میں لوگوں نے اِکا دُکا مسلمان ہونا شروع کر دیا۔ بعض عرب سوداگروں نے یہاں کی نومسلم عورتوں سے شادیاں کر لیں اور یہاں کے ہو کر رہ گئے۔ جن کی اولاد موپلا کے نام سے مشہور ہے۔

اِس طرح عرب سوداگروں نے کفرستانِ ہند میں اسلام کا عملی تعارف کرا کے صراط المستقیم کی نشان دہی کر دی تھی۔ اور کچھ ہندی لوگوں کو اپنے دین کے بھائی بھی بنا لیا تھا۔ زاں بعد اس ملک کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اولیائے کرام کا رُخ اِس طرف کو ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری میں شروع ہو کر آٹھویں صدی ہجری کے اواخر تک بڑھتا ہی چلا گیا۔ جو بحساب سنِ عیسوی ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک کا زمانہ ہوتا ہے۔

ہم کب مُسلمان ہُوئے؟

برِ صغیر میں اسلام کی ضیاء پاشیوں کی رفتار و مقدار کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے اندازہ کیا جائے تو آرائیں قوم کو حلقہ بگوشِ اسلام ہُوئے کم سے کم سات سو برس گزر چکے ہیں۔

میری خواہش تھی کہ جس طرح ہو سکے وُہ صحیح حالات تاریخ وار دیئے جائیں جن کے ماتحت ہماری طالع مندی کا سامان ہُوا۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کی قبریں منور فرمائے جن بزرگوں کے مبارک ہاتھوں پر مسلمان ہونے کا شرف ہمیں میسّر آیا۔ ان کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ لکھنے میں آجاتے۔ لیکن میری یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی۔ کیونکہ مبلّغینِ اسلام کا طریقِ کار عیسائی مشنریوں کے منظّم کاروبار جیسا نہیں تھا عیسائی مشنری کسی نہ کسی سوسائٹی کے تنخواہ دار مُلازم ہوتے ہیں۔ اور اپنی کارگزاریوں کے گوشوارے مُرتّب کرتے ہیں۔ ڈائری دیتے ہیں۔ پروگرام اور سکیمیں پیش کرتے ہیں۔ ان کے عُہدہ اور مشاہرہ میں ترقّی کا انحصار ان کی سرگرمی اور مستعدی پر ہوتا ہے۔ برعکس اس کے مبلّغین اسلام سارا کام بغرضِ ثواب سرانجام دیتے تھے۔ اور ان کا واسطہ کسی سوسائٹی کی بجائے براہِ راست خدا سے اور اس کے پیارے رسُولؐ سے ہوتا تھا۔ نمود و نمائش ان کے پاس پھٹک نہیں سکتی تھی۔ اللہ کے یہ بندے محنت ہائے شاقہ اُٹھا کر علمِ دین کے عالم باعمل بنتے۔ ریاضت، عبادت، زُہد اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ ہوتے تھے۔ اور خدا کا نام لے کر خدا کا نام پھیلانے کو گھر بار، آرام و آسائش تج کر۔ عزیز و اقرباء کو خیر باد کہہ کر جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں، دریاؤں،

اُور سمندروں کو پھاندتے ہُوئے چار دانگِ عالم میں پھیل جاتے تھے۔ اور خدا کے حضُور ان کی طرف سے رپورٹ نہیں اِلتجا ہوتی ہوگی۔ کہ جو کچھ ہُوا تیرے کرم سے ہُوا۔ اُور جو ہوگا تیرے فضل سے ہوگا۔ ہم کس لائق ہیں جو ہم سے کچھ ہو سکے۔

مَیں نے صُوفیائے کرام کے کئی تذکرے چھانے ہیں۔ مگر مجھے یہ کہیں نظر نہیں آیا، کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہو، کہ "میں نے اِتنے لوگوں کو مسلمان کیا ہے" تو جہاں عجز و اِنکسار کا یہ عالم ہو، وہاں اَعداد و شمار کا، یا شُدکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؎ میانِ عاشق و معشُوق رمزیست

کراماً کاتبین را ہم خبر نیست!

کارگزاری کی روئداد منضبط نہیں، تو کیا غم۔ خُود کارگزاری روزِ روشن کی مانند ہم حلقہ بگوشانِ اسلام کی تعداد سے ظاہر و شاہد ہے۔

کائنات کے ذرّے ذرّے کے کانوں تک اَللّٰہُ اَکبَر کی صدا پہنچ چکی ہے۔ ایمان کی روشنی کی شمع ہاتھوں ہاتھ کرۂ ارض کے تارِیک گوشوں تک پیہم پہنچ رہی ہے۔

آروڑا قوم کے مُشرّف بہ اِسلام ہونے کی ایک سِینہ بسِینہ روایت

اِس بارے میں بڑے بُوڑھے، اپنے بڑے بُوڑھوں سے سُنی ہُوئی سینکڑوں سال پُرانی فقط ایک کہانی اپنے بچّوں کو سُناتے آئے ہیں۔ اور وہ کچھ اِس طرح ہے۔ وَاللہُ اعلم بالصواب۔

پیری پور مُلتان میں آروڑا قوم کے ایک دُولھا اور اس کے لواحقین اپنی ایک ہِندوانہ رسم کو پُورا کرنے کی غرض سے، نو بیاہتا دُلھن کو لے کر ایک مندر میں گئے تاکہ خانہ آبادی سے پہلے مندر میں رکھے ہُوئے بُت سے آشیرواد لی جاسکے۔

رسم کے مطابق شِیرینی کا طشت اُٹھا کر تنہا دُلھن کمرے کے اندر بُت کے سامنے گئی اور شِیرینی میں سے ایک نوالہ بُت کے مُنہ کے ساتھ لگایا۔ مگر بُت کو نہ ٹس سے مس ہونا تھا نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس کمرے کے کسی تاریک گوشہ میں ایک مسلمان بزرگ شاہ شمس تبریزؒ چھُپے بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے بُت کو مخاطب کرکے کہا، کہ "کھاؤ! کھاتے کیوں نہیں؟ بمجرّد ارشاد بُت نے کھانا شروع کردیا۔ دُلھن کھلائے گئی اور بُت کھاتا گیا۔ ساری شِیرینی کھلا چکنے کے بعد جب خالی طشت لے کر دُلھن باہر آئی، تو وہ لوگ سخت جِزبِز ہُوئے، جو اس انتظار میں بیٹھے تھے، کہ کب دُلھن باہر آئے، اور شِیرینی کا تبرّک آپس میں بانٹ کر کھائیں۔ دُلھن پر لے دے ہونے لگی۔ سب کا کہنا یہ تھا، کہ دُلھن بھُو کے گھر سے

آئی ہے۔ اور کہ ساری شیرینی پہ اس نے ہاتھ صاف کیا ہے۔ دُلھن نے اپنی صفائی میں وُہ واقعہ بیان کیا، جو اُسے کمرے کے اندر پیش آچکا تھا۔ چنانچہ دُلھن کے بیان کی تصدیق وتحقیق کے لئے اَز سرِ نَو شیرینی کا طشت دے کر اُسے بُت کے پیش کیا گیا۔ دُلھن نے شیرینی کا نوالہ بُت کے مُنہ کے ساتھ چھوایا۔ تو بُت جُوں کا تُوں بُت ہی بنا رہا۔ اِتنے میں گوشے سے حضرت تبریزؒ نے بُت کو پھر مخاطب کرتے ہُوئے کہا، کہ "پہلے کھایا ہے، تو اَب بھی کھاؤ۔ کھاتے کیوں نہیں"؟ چنانچہ بُت کھانے لگا۔ یہ کرامت دیکھ کر سب حاضرین نے حضرت شمس تبریزؒ کے ہاتھ پر اِسلام قبُول کرلیا۔

وَاللہُ اَعلَمُ بِالصّواب، یہ روایت درست ہے، یا غلط۔ یا اِس سے کچھ مختلف۔ لیکن اِس میں کچھ شُبہ نہیں، کہ بیشتر لوگ اپنے آباء واَجداد کے مُشرّف بہ اسلام ہونے کی روئداد بیان کرتے ہُوئے، اَیسی ہی روایات کا حوالہ دیتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ باور کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے، کہ اِشاعتِ اسلام میں اَولیائے کرام کے کشف وکرامات، اور ذاتی کردار کو خاصہ دخل رہا ہے۔

کرامت۔ جیسا کہ اس لفظ کے معانی سے ظاہر ہے۔ محض ایزد تعالیٰ کے کرم سے وقوُع میں آکر کئی ایک بھٹکے ہُوئے اِنسانوں کی اِصلاح وفلاح کا سامان بن جاتی ہے۔ اگرچہ کشف وکرامت کو نہ تو کسی بزرگ کے علوِ مرتبہ کا معیار قرار دیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی بزرگانِ دین کی عالی مرتبت شخصیتیں یہ تمنّا رکھتی ہیں، کہ اُن کی ذاتِ گرامی سے خرقِ عادت ظہُور میں آویں، یا ان کے کشف وکرامات کی تشہیر ہو۔

حضرت شمس تبریز ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شمس علیہ الرحمۃ کا سنِ ولادت سنہ ۵۶۰ ھجر اور مولد سبزوار۔ ایران ہے۔ آپ سنہ ۶۶۵ ھجر میں واردِ ملتان ہوئے، اور تقریباً دس سال کے قیام کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ آپ کا مقبرہ عام خاص باغ ملتان کے عقب میں مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کی اولاد جو آپ کی نسبت سے شمسی کہلاتی ہے۔ ملتان میں، اور دوسرے شہروں میں آباد ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ مثنوی معنوی کے لکھنے والے حضرت مولانا جلال الدین رومی کے شیخ کا اسم مبارک بھی حضرت شمس اور صفت نسبتی بھی تبریز تھی لہٰذا ان دونوں بزرگوں کے حالات باہم گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اور بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ دونوں حضرات صرف ہم نام ہی نہ تھے، ہم عصر بھی تھے۔ دونوں نے تقریباً ایک ہی زمانہ پایا ہے۔ دونوں بزرگواروں کو تبریز سے گہرا تعلق تھا۔ ایک صاحب کی تو ولادت وہاں ہوئی۔ اور دوسرے صاحب نے اپنے عالم استغراق کے بارہ برس تبریز میں گزارے۔

قونیہ (اناطولیہ) میں جہاں مولانائے روم کی اپنے پیر حضرت شمس تبریزؒ سے ملاقات ہوئی تھی۔ ملتان والے حضرت شمس تبریزؒ کا بھی اس قونیہ میں تشریف لے جانا ثابت ہوتا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں، کہ مولانا رومؒ کے پیشوا حضرت شمس تبریزؒ ملتان میں تشریف نہیں لائے۔ اور یہ دونوں برگزیدہ ہستیاں علیحدہ علیحدہ دو شخصیتیں ہوئی ہیں۔ حضرت شمس تبریز ملتانی رحؒ کے احوال پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے یہاں کچھ اقتباسات

شامل کئے جا رہے ہیں۔

سید محمد اولاد علی گیلانی کی لکھی ہوئی "تاریخ اولیائے ملتان" میں درج ہے، کہ

"آپ اصل میں ساداتِ سبزوار سے ہیں۔ غلطی سے تبریزی مشہور ہو گئے۔ ...

..... آپ کا اصل لقب تپ ریز ہے۔

آپ ۱۵۔ شعبان ۵۶۰ھ کو سبزوار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد سید صلاح الدین محمد نوربخش عبدالمومن شاہِ مراکو کے پوتے کتابِ فقیہہ آحوط کے مصنف اور محمودیوں اور اسمٰعیلیوں کے مقتدا تھے۔ اور والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ سید عبدالہادی کی بیٹی تھیں۔

قدرتِ کاملہ نے شاہ شمس کو فہم و ذکا کا مادہ نہایت فیاضی سے عطا کیا تھا۔ آپ نے اپنے والدِ بزرگوار سے جو اپنے زمانے کے شیخ طریقت تھے۔ فیضِ معرفت حاصل کیا۔ ۵۷۹ھ میں جب علومِ ظاہری و باطنی میں یدِ طولیٰ حاصل کر لیا، تو دونوں باکمال باپ بیٹے چرکس کے راستے بدخشاں وارد ہوئے۔ وہاں سے تبت کوچک تشریف لے گئے۔ پھر کشمیر پہنچے۔ بہت سے لوگوں کو ارادت کیشوں میں داخل کیا۔ اور ۵۸۵ھ میں واپس سبزوار تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچ کر والدِ بزرگوار نے آپ کی شادی کر دی۔ اور ۶۰۰ھ میں آپ نے اپنے دو بیٹوں کو علم و ادب سے آراستہ کرنے کے بعد والدِ بزرگوار کے سپرد کیا۔ اور خود تبریز تشریف لے گئے۔ یہاں بارہ برس کامل حالتِ استغراق میں بسر کئے۔ جب سلوک کا درجہ عطا ہوا، تو قونیہ پہنچے۔ یہاں والدِ بزرگوار سے ملاقات ہوئی اور دونوں بزرگوار شام اور مصر کا چکر لگاتے ہوئے واپس سبزوار تشریف لے آئے۔ صاحبزادوں کی شادی کرنے

کے بعد آپ بعزمِ سیاحت سبزوار سے مُرخّص ہُوئے۔ عراق۔ عرب اور مصر کے طول وعرض میں شب وروز تعلیمِ اسلام میں مصرُوف رہے۔

۶۶۴ھ میں آپ کے والد سیّد صلاح الدّین محمّد نُوربخش نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہو کر آپ بغداد پہنچے اور ایک سرائے میں اقامت فرمائی۔ یہاں کے عُلَماء نے آپ پر بے دینی کا الزام لگایا اور شاہ احمد نکودار سے درخواست کی، کہ انہیں شہربدر کیا جائے۔ بادشاہ کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ اس نے عُلَماء سے کہا۔ کہ یہ خُدا رسیدہ بزرگ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بیٹے محمّد پر کوئی آفت نہ آجائے۔ عُلَماء نے جواب دیا کہ اگر شاہزادے کا بال تک بھی بیکا ہو، تو ہمارا ذمّہ۔

چنانچہ شاہ شمس رح قاضیِ شرع کے حکم سے بغداد کو چھوڑ کر کاظمین تشریف لے گئے۔ خُدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ شہزادہ فوت ہوگیا۔ بادشاہ سخت جھنجھلایا اور عُلَماء کو حکم دیا، کہ فوراً فقیر سے معذرت طلب کرو، تاکہ خداوندِ عالم میرے بچّے کو دوبارہ زندگی عطا فرمائے ورنہ مَیں تم سب کو قصاص میں قتل کر دُوں گا۔ چنانچہ عُلَماء جمع ہو کر حضور کی خدمت میں پہنچے۔ اور منّت سماجت کر کے آپ کو بغداد میں لے آئے۔ یہاں آپ نے دُعا کی اور بچّہ اُٹھ بیٹھا۔ اب عُلَماء نے آپ پر تکفیر کا اِلزام لگا دیا اور کھال اُتروانے کے درپے ہُوئے آپ نے کملی اوڑھ کر کھال اُتار دی جو شہر میں پھرائی گئی۔ شام کو آپ نے واپس لے کر کھال بمثل لباس کے زیبِ تن کر لی۔ اور ہندوستان جانے کا اِرادہ کیا۔ احمد نکودار کے فرزند محمّد نے بھی آپ کے ہمراہ سفر کرنے پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے شیخ کی خُوشنُودی اور بچّہ کی مرضی اس میں دیکھی تو کلیجے پر پتھّر کی سِل رکھ کر اسے حوالے کیا۔ ماں نے چلتے وقت کچھ جواہرات ساتھ کر دئیے اور یہ مُرشد و مُرید براستہ دیبل ۶۶۵ھ میں

ملتان آ پہنچے۔ ان دنوں یہاں شیخ الاسلام غوث بہاءُ الحق والدین قدس سرّہٗ مسندِ ارشاد پر فائز تھے۔ جب آپ شہر میں داخل ہوئے، تو آپ کے خلاف ایک کہرام برپا تھا۔ آپ نہایت صبر و سکون سے لوگوں کے طنز آمیز جملے سنتے اور روڑے کنکر کی بارش میں سے گزرتے وہاں جا پہنچے جہاں اب شہر کا اسٹیشن ہے۔ تیرہ سالہ بچّہ احمد نکودار کا اکلوتا فرزند بھوک سے سخت نڈھال ہو رہا تھا۔ اگرچہ آپ خورونوش کی آلائشوں سے بے نیاز تھے، مگر بچّے کی فکر نے بے چین کر رکھا تھا۔ یہاں پہنچ کر حضرت نے ایک نعرہ لگایا۔ جس سے بیابان کی ایک ہرنی نمودار ہوئی۔ اُس کے تھن دودھ سے لبریز تھے۔ آپ نے شہزادے کو پینے کا اشارہ کیا۔ پھر آپ نے تکبیر کہہ کر ہرنی کو ذبح کیا اور ضرورت کے مطابق اس کے پیٹ سے گوشت نکال کر باقی جسم کو سی دیا۔ ہرنی کو قُم باذنِ اللہ کہہ کر کھڑا کیا۔ جو چھلانگیں بھرتی چلی گئی۔ شہزادے کو حکم ہوا، کہ جاؤ شہر سے آگ لے آؤ۔ تاکہ اس گوشت کو بھون کر کھائیں۔ شہزادہ سارے شہر میں دھکّے کھاتا پھرا لیکن کسی اہلِ دل کو رحم نہ آیا۔ بلکہ ایک ستم ظریف جلوائی نے تو اتنا ظلم کیا۔ کہ جب یہ مسافر بچّہ آگ لینے کے لئے اس کے ہاں پہنچا۔ تو اس نے گرم تیل کا چمچہ اس کے گلاب جیسے چہرے پر دے مارا۔ نازنین شہزادہ شدّتِ درد سے چلّا اُٹھا۔ اور روتا پیٹتا مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے عزیز ترین مرید اور روحانی فرزند کی یہ حالت دیکھی، تو غصّہ سے کانپ اُٹھے۔ بدن کے عضو عضو میں قہر و جلال کی لہر دوڑ گئی۔ آسمان کی جانب نگاہ کی۔ سورج کو دیکھا اور فرمایا، او شمس! دیکھ۔ مَیں بھی تیرا ہم نام ہوں۔ ملتان کے لوگ مجھے گوشت بھوننے کو آگ تک نہیں دیتے۔ ذرا نیچے آ تاکہ مَیں تیری تمازت میں اس معصوم شہزادے کے

لئے گوشت بھون لوں۔ بمجرد اس کے آفتاب سوا نیزے پر آگیا۔ لوگ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ شہر کے علماء صلحاء اور زہاد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معذرت طلب کی۔ اور رہنے کو اپنے مکانات پیش کئے۔ اس پر آپ کا غصہ فرو ہوا اور آفتاب سے کہا۔ "باز بروُ"۔ تب کہیں جا کر ملتان ٹھنڈا ہوا۔ اور خلقِ خدا کے تن بدن میں ہوش آیا۔ کہتے ہیں، کہ اُس دن سے ملتان کی گرمی مشہورِ عالم چلی آتی ہے۔ اگرچہ اب وہ کیفیت نہیں رہی۔

سنہ ۶۶۶ ھجری میں آپ کی اولاد امجاد شاہ احمد نکو دار کی حفاظتی فوج کے ساتھ ملتان آپہنچی۔ اور آپ نے مستقل طور پر یہاں سکونت اختیار کی۔ اور یہاں رہتے ہوئے دس سال بھی نہ گزرنے پائے تھے، کہ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو تشریف لے گئے۔ آپ کا مرقدِ اطہر عام خاص باغ ملتان سے شمال کی جانب دو فرلانگ کے فاصلہ سے نظر آتا ہے۔ سنہ ۶۷۷ ھجری میں اس پر سید احمد شکر بار۔ پیر حاجی صدر الدین۔ اور شہزادہ محمد بغدادی نے خشت و آہک کا ایک سفید گنبد تعمیر کرایا تھا۔

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم

(ماخوذ از اولیائے ملتان مصنفہ سید اولاد علی صاحب گیلانی)

صفحات ۲۱۷ تا ۲۲۰

سوانح حیات حضرت شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ

مصنفہ

پیر غلام دستگیر صاحب نامی

ناشر :- مدنی کتب خانہ چوک گنپت روڈ لاہور

صد ۲۶ پر شیخ شمس الدین تبریزی کے ہم نام ملتانی بزرگ کے عنوان کے ماتحت رقم طراز ہیں :-

"مولانا روم علیہ الرحمۃ کی جس بزرگ شمس الدین سے عقیدت تھی وہ کبھی ہند وسندھ تشریف نہیں لائے۔ ملتان میں جو شمس الدین مدفون ہیں وہ اور ہیں۔ ان کی اولاد شمسی کہلاتی ہے۔ اور لاہور وغیرہ میں موجود ہے۔ انہی میں میرے ایک کلاس فیلو ابراہیم نام تھے۔ ہم دونوں نے انجمن حمایت اسلام کے ہائی سکول واقع شیرانوالہ دروازہ سنہ ۳-۱۹۰۲ء میں تعلیم پائی تھی وہ نارووال سے آئے تھے۔ اور میں نے انہیں درگاہ جدنا حضرت عبد الجلیل چوہڑ شاہ بندگی عظمۃ اللہ تعالیٰ میں اپنے والد بزرگوار کے تعمیر کردہ حجرہ متصل چاہ و مسجد سکونت کے لئے دے دیا تھا۔ میں تو انٹرنس پاس کر کے رہ گیا اور وہ بی۔اے ایل ایل بی وکیل ہو گئے اور ملتان میں پریکٹس شروع کر دی۔ میں ایک دفعہ ملتان گیا۔ تو اُن سے ملا۔ مجھے درگاہ شمسی میں لے گئے۔ میں نے وہاں ایک کتبہ نصب دیکھا۔ مشتمل بر نام چار یار ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ عثمان رضؓ و حیدر رضؓ۔ شمسی صاحب سے دریافت کیا۔ کہ کیا صاحب درگاہ سنّی تھے ؟ نہیں شیعہ تھے۔ تمہارا سوال میں سجادہ نشین صاحب سے پوچھ چکا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا تھا کہ بزرگ سب کے مشترک ہوتے ہیں۔ یہ کتبہ سُنّیوں کے لئے نصب چلا آتا ہے۔

مجھے ان کا رواداری رویہ پسند آیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تاریخ اقوام پنجاب میں مسٹر روز آئی سی ایس لکھتے ہیں، کہ شمسی فرقہ کا مستقر ملتان ہے۔ وہ شیعہ ہیں۔ اور اپنے آپ کو شمس تبریز ملتانیؒ کی اولاد سے بتاتے ہیں۔ جن کی خانقاہ ۱۷۸۷ء میں بنائی گئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ایک قصہ ہے، کہ سورج نے ان کے لئے مچھلی بھون دی تھی جب کہ اہلِ شہر (ملتان) نے انہیں روٹی دینے سے انکار کر دیا تھا۔

ص ۲۸ مشہور شمس الدین تبریزیؒ جو قونیہ میں ۱۲۴۷ء میں قتل ہوئے۔ کی طرف ایک قصہ منسوب ہے، کہ ان کی کھال کھینچی گئی تھی۔ اور وہ اس کھال کو ہاتھ میں لئے ہوئے چار دن پھرتے رہے تھے۔ یہی قصہ ملتانی شمس تبریز کی نسبت بھی بیان کیا جاتا ہے۔ مگر زیادہ تر مشہور بات یہی ہے، کہ ملتانی بزرگ سورج کو زمین کے بہت قریب لے آئے تھے۔ جیسا کہ مسٹر ٹمپل نے پنجابی قصوں کے ضمن میں تیسری جلد ص ۸۷ میں بیان کیا ہے۔ مسٹر روز لکھتے ہیں کہ درگاہِ شمسی کے شیعہ متولی کا کہنا ہے کہ نام شمس تبریز غلط ہے۔ اصل نام شمس تپ ریز ہے یعنی (heat giving) تمازت رساں۔ (بحوالہ ملتان گزیٹیر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۵۰)

نوٹ:۔ بعض محققین نے بیان کیا ہے، کہ شمس الدین مدفون ملتان موضع ترویز علاقہ سبزوار (ایران) کے رہنے والے تھے۔ ترویزی سے لوگوں نے تبریزی بنا لیا۔ مرزا محمد سعید صاحب دہلوی نے کتاب "تہذیب اور باطنی تعلیم" میں لکھا ہے کہ شمس الدین ملتانی بقول یورپین مورخین اسماعیلی فرقہ (باطنی) کے داعی تھے۔ واللہ اعلم۔

(منقول از صفحہ ۲۸ سوانح حیات حضرت شمس تبریزؒ مؤلفہ پیر غلام دستگیر نامی)

بابِ حرماں نصیباں

آروڑہ قوم

کے

سب افراد

حلقہ بگوشِ اسلام

کیوں نہ ہو سکے؟

محرومی کے باطنی اسباب

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ
اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا كَانَ
لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى
الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝

(القرآن) ——— (۱۰ / ۹۹ — ۱۰۱)

ترجمہ

اور اگر تمہارا رب چاہتا۔ زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کروگے، یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں۔ اور کسی جان کی قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے، مگر اللہ کے حکم سے۔ اور عذاب اُن پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔

تم فرماؤ! دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے؟ اور آیتیں اور رسول انہیں کچھ نہیں دیتے، جن کے نصیب میں ایمان نہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ج

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ

ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ج وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

بِوَكِيْلٍ ط

(القرآن) —————— (۱۰/۱۰۸)

ترجمہ

تم فرماؤ! اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا۔

تو جو راہ پر آیا۔ وہ اپنے بھلے کو راہ پر آیا۔

اور جو بہکا۔ وہ اپنے بُرے کو بہکا۔

اور کچھ میں تم پر وکیل نہیں۔

شرفِ اسلام سے محرومی کے ظاہری اسباب
اشاعتِ اسلام کی راہ میں مزاحمتیں

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ سرزمینِ عرب میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے، اور دعوتِ اسلام دینے کے جلد ہی بعد عرب سوداگروں کے ذریعہ پیغامِ حق ہندوستان تک پہنچ گیا تھا۔ اور لوگ فرداً فرداً مشرف بہ اسلام ہونا شروع ہوگئے تھے۔

ہندومت کی جبلّی خامیوں، اور اسلام کی فطری جاذبیت اور پختگی کے طفیل یہ سلسلہ روز افزوں ہوتا گیا۔ تاآنکہ اولیائے کرام کے فیضِ نظر نے صدیوں کے گم گشتہ راہ انسانوں کو گروہ در گروہ لوائے اسلام کے نیچے جمع کرلیا۔ ساتویں صدی عیسوی سے شروع ہوکر چودھویں صدی عیسوی تک رُشد و ہدایت کے قافلے بلا روک ٹوک چلتے رہے۔ مگر پھر ہندو بیدار ہوگیا اور مسلمان غافل۔ مذہبی اعتبار سے، سیاسی حیثیت سے، اور قومی نقطۂ نگاہ سے، غرض ہر نہج سے ہندو چوکس اور چوکنّا ہوکر تبلیغِ اسلام کے سیلِ رواں کے آگے بند باندھنے کی ریشہ دوانیاں سوچنے لگا۔

سوشل بائیکاٹ یا چھوت چھات کا حربہ:۔ مسلمانوں کو اچھوت اور ملیچھ قرار دے کر معاشرہ میں ان کا مرتبہ گھٹا دیا گیا۔ مسلمان کے چھو جانے سے ہندو کا کھانا

بھرشٹ ہو جاتا تھا۔ برتن ناپاک ہو جاتے تھے۔ کھانا پکانے کی جگہ پلید ہو جاتی تھی۔ حتیٰ الوسع مسلمانوں سے تجارتی لین دین نہیں کیا جاتا تھا۔ تجارت میں ان کے پاؤں جمنے نہیں دیئے جاتے تھے۔ لے دے کر صرف چمڑے، اور چمڑے کی مصنوعات کی تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔

تحریکِ بھگتی :۔ پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندو قائدین کی طرف سے صلح کلی کے نام پر ایک نہایت میٹھی اور خاموش مہم "تحریکِ بھگتی" کے نام سے چلائی گئی جس نے مسلمانوں کے جوشِ تبلیغ کو بالکل سرد کر دیا۔ اس تحریک کے کرتے دھرتے اصحاب کا رویہ ایسا تھا، کہ نہ تو ان کو حتمی طور پر مسلمان کہا جا سکتا تھا اور نہ قطعی طور پر ہندو۔ بالفاظ سید عبدالقادر ان لوگوں کا قول یہ تھا کہ :۔

"تمام مذاہب کا منبع ایک ہے۔ ہندو مذہب اور اسلام ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ رب۔ رحیم۔ رام اور بھگوان سب ایک ہی ہستی کے مختلف نام ہیں۔ مسلمانوں کی عبادت اور ہندوؤں کی ریاضت خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے مختلف طریقے ہیں" (تاریخ پاک و ہند ص ۲۵۳)

نیز ص ۲۵۵ پر رقمطراز ہیں :۔

"مسلمان اس بات پر نازاں ہیں، کہ انہوں نے ہندوؤں کو توحید کا درس دیا۔ جس کا نتیجہ بھگتی کی تحریک کی صورت میں نمودار ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے، کہ ہندوؤں نے اس تحریک کو بھی اپنے تحفظ کا ذریعہ بنا لیا۔ ہندوستان میں پہلے ہی اسلام کی ترقی کی رفتار سست تھی۔ بھگتی کی تحریک کے بعد وہ بالکل بند ہو گئی۔ ہندو اور مسلمان دونوں یہ سمجھنے لگے کہ دونوں مذاہب

کا منبع ایک ہے۔ خُدا کی بھگتی (پرستش) میں نجات ملتی ہے۔ تبدیلی مذہب بیکار سی شے ہے۔ اِن حالات میں احمق اور سر پھرا ہی اپنے مذہب کو چھوڑ کر اِسلام کی آغوش میں پناہ لینے کی ضرورت محسوس کرے گا"۔ (تاریخ پاک و ہند۔ سیّد عبدالقادر صفحہ ۲۵۵)

مُسلمان بادشاہوں کا کردار:۔ محض حُکمرانی کے شائق مسلمان حملہ آوروں اور بادشاہوں کی اکثریت اشاعتِ اسلام کی راہ میں ایک بہت بڑی رُکاوٹ ثابت ہُوئی۔ بادشاہوں کی سیاسی مصلحتوں نے رمُوزِ سلطنت کو مُقدّم اور اُمورِ دین کو مُؤخّر بلکہ کالعدم سمجھ لیا۔

چَودھویں صدی عیسوی میں علاؤ الدّین خِلجی نے ہندُوؤں اور مسلمانوں کے لئے ایک نیا اور مشترکہ مذہب اِیجاد کرنا چاہا۔ جو علاؤ الملک کی مساعئ حَسنہ سے عملی صُورت اختیار نہ کر سکا۔ تاہم خلجی بادشاہ کی اسلام دوستی کا پول کُھل گیا۔ سولھویں صدی میں اکبرِ اعظم نے دینِ اسلام کی جگہ دینِ الٰہی کا ڈھونگ رَچا دیا اہلِ ہنُود کا قشقہ اکبرِ اعظم کی پیشانی کی زینت بن گیا۔ اور مسلمانوں کا سجدہ جو محض ذاتِ باری کے لئے وقف ہے۔ دربارِ اکبری میں پامال ہو کے رہ گیا۔ شاہی محل میں بُت رکھ دیئے گئے۔ اَور اُن کی اِعلانیہ پُوجا ہونے لگی۔ غیر مُسلموں کو عُہدے، جاگیریں۔ مراعات، اور اختیارات دے کر، اور باہم رِشتے ناطے اُستوار کر کے، سیاسی اور مذہبی طور پر مُسلمانوں اَور ہندُوؤں کو اس طرح ایک سطح پر کر دیا گیا کہ غیر مُسلموں کے لئے اِسلام میں کوئی دِل کشی اور اہمیت باقی نہ رہی۔ بالفاظ سیّد عبدالقادر

"اکبر دُوسرے مذاہب کے لوگوں سے رواداری سے پیش آتا۔ ان کی سَرپرستی کرتا۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتا تھا۔

اکبر کی مسلمانوں پر سختی کی بہت سی مثالیں ہیں۔ مسلمانوں کو حج سے روکتا تھا۔ کوئی مسلمان اپنے بیٹے کا نام محمدؐ کے نام پر نہیں رکھ سکتا تھا عقیقہ اور ختنہ کی ممانعت کر دی تھی۔ وہ رسولِ کریمؐ کے کردار میں نقائص نکالتا اور دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی بہت تعریف و توصیف کرتا۔ جو لوگ اس کو اس بری حرکت سے روکتے تھے، وہ ان کا دشمن ہو جاتا تھا۔ ان کو ملازمت سے برطرف کر دیتا۔ اور بعض اوقات ان کو جلا وطن کر دیتا، یا مروا دیتا تھا۔

اس نے بہت سے علماء کو بنگال اور آسام بھیج دیا۔ تاکہ وہ اس ملک کی مرطوب آب و ہوا کا شکار ہو جائیں۔ بہت سے علماء کو اس نے گھوڑوں کے عوض وسط ایشیا کے لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

اکبر کی مذہبی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مسلمانوں کا وقار خاک میں مل گیا۔ ہندوؤں کا اثر رسوخ بہت بڑھ گیا۔ وہ سلطنت پر چھا گئے۔ مسلمان ان سے دبنے لگے۔ (تاریخ پاک و ہند صـ۲۹۰)

دینِ الٰہی:۔ اکبر کی ایجاد دینِ الٰہی سے متعلق صـ۲۸۹ پر سید عبدالقادر ایم۔ اے رقمطراز ہیں کہ:۔

"اس نے (اکبر نے) ۱۵۸۲ء میں ایک نیا مذہب جاری کیا۔ جس کا نام اس نے دینِ الٰہی رکھا۔ ہندو مت۔ جین مت۔ بدھ مت پارسی مت۔ اسلام اور بعض دوسرے مذاہب کے عقاید اس

دین میں شامل تھے۔ لیکن یہ مذہب کامیاب نہ ہوا۔ اِس مذہب کے پیرو صُبح کے وقت سُورج کی پرستش کرتے تھے۔ بادشاہ خود سُورج کی طرف مُنہ کر کے سُورج کی پُوجا کرتا تھا۔ فتح پور سیکری میں ایک آتشکدہ بنایا گیا۔ جس میں ہر وقت آگ روشن رہتی اور اُس کی پُوجا ہوتی۔ آتشکدہ کی دیکھ بھال ابُوالفضل کے ذمّہ تھی۔ جَینیوں اَور بُدھوں کی طرح اکبر اہنسا پر بھی کاربند ہو گیا تھا اُس نے نہ صِرف خود گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ بلکہ گوشت کے عام استعمال پر بھی پابندیاں عاید کر دیں۔ چنانچہ ہفتہ میں دو تین روز جانوروں کا ذبح کرنا ممنُوع قرار دیا۔ عام ہندُوؤں کی طرح بادشاہ۔ ہولی، دُسہرہ۔ بسنت، دِیوالی اَور دُوسرے تیوہار بڑی دُھوم دھام سے مناتا تھا۔ اکبر خود اس مذہب کا پیشوا یا پیغمبر تھا۔ وُہ کہتا تھا، کہ مذہب اور سیاست دونوں میرے ماتحت ہیں۔

اِس مذہب کے پَیرو ایک دُوسرے سے ملتے تھے تو اَلسَّلَامُ عَلَیکُمْ اَور وَعَلَیکُمُ السَّلَام کہنے کی بجائے اَللہُ اَکبر اور جَلّ جَلَالُہٗ کہتے تھے، اکبر کہتا تھا کہ مرنے کے بعد فاتحہ دِلوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ اِنسان کو اپنے جنم دِن پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کو پُرتکلّف دعوتیں دینی چاہئیں۔ اِس کے علاوہ اکبر نے اور بھی بہت سی خلافِ شرعِ اسلام باتیں رائج کیں۔

سِکھ دھرم یا خالصہ پنتھ :- سولھویں صدی عیسوی میں گرُو نانک نےؔ ہِندُوؤں کو اِسلام کے چند ایک بُنیادی اصُولوں پر مبنی ایک نئے مذہب "سکھ دھرم" کی دعوت دے دی۔ ہِندُوؤں کو ہِندُوؤں کا یہ ذیلی مذہب بہت پسند آیا۔ کیونکہ اسے قبُول کر لینے سے وُہ ہندُو رہتے ہُوئے، توحید۔ اخوّت اور مساوات جیسے سُنہری اصُولوں سے فائز ہو سکتے تھے۔

اِن کے ہاں اخوّت کا یہ عالم تھا، کہ بابا نانک اپنے خادموں اور چیلوں کو بھائی کہتے تھے۔ سِکھ اتہاس میں بھائی بالا اور بھائی مَردانہ کو کوُن نہیں جانتا؟

دھرم شالاؤں اور گرُدواروں میں مذہبی رہنماؤں کو بھائی کہا جاتا تھا توحید۔ مساوات اور اخوّت کے علاوہ عورتوں کے حقُوق کے بارے میں بھی اِسلام سے کسی حد تک خوشہ چینی کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ مذہب کا نام "خالصہ" قرآن مجید سے لیا گیا۔ ایک دُوسرے سے مُلاقات کے وقت "جے" کی جگہ عربی کا لفظ "فتح" اختیار کیا گیا۔

سچ تو یہ ہے، کہ سِکھ مت پیش ہو جانے کے بعد نہ تو ہندُوؤں نے اِسلام قبُول کرنے کی چنداں ضرُورت محسُوس کی۔ اور نہ اسے پہلے سے جوش و خروش کے ساتھ اختیار کیا۔ کیونکہ اِسلام قبُول کر لینے سے سوشل بائیکاٹ کا جو خطرہ لاحق ہو جاتا تھا، وُہ سِکھ ہو جانے سے پیش نہیں آتا تھا۔

ستارھویں صدی عیسوی کے آخر میں بابا نانک کے دسویں جانشین گرُو گوبند سِنگھ نے سِکھوں کو ہِندُوؤں سے الگ کر لیا۔ ہِندُو کہلوانا

ترک کر دیا۔ اور سکھ یا خالصہ کہلانا شروع کر دیا۔ ہندوؤں اور سکھوں میں امتیاز قائم رکھنے کے لئے اپنے ناموں کے ساتھ سنگھ کا اضافہ کیا۔ لباس میں پگڑی اور کچھا پہننا لازمی قرار دیا۔ جسم کے کسی حصے سے بھی بال مونڈنا یا ترشوانا ممنوع ٹھہرایا۔

مذہبی طور پر خالصہ پنتھ کی زد مسلمانوں پر بھی پڑی، اور ہندو مت پر بھی پڑی مگر اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے مسلمان بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ زوال پذیر مغلیہ سلطنت کے اندر سکھوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی طاقتیں اُبھر آئیں جن کی مار دھاڑ کی لپیٹ میں مسلمان خاص طور پر آ گئے۔

سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی جان، مال، آبرو، حکومت اور مذہب ہر چیز خطرہ میں پڑ گئی۔

سکھا شاہی یا برچھا گردی: سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف جبر و تشدد کے ستم توڑ توڑ کر اپنے عہدِ اقتدار "سکھا شاہی" کو سینہ زوری اور لاقانونیت کی ضرب المثل بنا لیا۔ سید عبدالقادر لکھتے ہیں کہ: "اٹھارھویں صدی کے وسط میں سکھ مثلوں نے تمام صوبے (پنجاب) پر قبضہ کر لیا۔ چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ مسلمان بالکل پس گئے سکھوں نے ان کی جاگیروں پر قبضہ کر لیا۔ گاؤ کشی بند کر دی۔ مسلمان مسجدوں میں اذان بھی نہیں دے سکتے تھے۔ سکھ مسلمانوں کی عورتوں کو بھی اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ رنجیت سنگھ تخت پر بیٹھا، تو کسی قدر امن کی صورت پیدا ہو گئی۔ لیکن مسلمان بدستور حکومت کے معتوب رہے۔ تمام ملازمتوں پر سکھ مقرر تھے۔ ان کے بعد ہندوؤں کی باری آتی تھی، مسلمان شاذ و نادر ہی کسی عہدے پر مقرر کئے جاتے تھے۔ اور انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل

نہیں تھی۔ محض لاہور میں رنجیت سنگھ نے دو ہزار سے زیادہ مقبرے اور مسجدیں تباہ کیں۔ جو باقی بچیں اُن میں بارُود بھر دی گئی۔ یا وُہ اصطبل کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سیّد احمد بریلوی رح [1] اور مولانا اسمٰعیل شہید کو رنجیت سنگھ کے خلاف جہاد کی تحریک شروع کرنی پڑی (تاریخِ پاک و ہند صہ ۹۱-۹۰ھ)

آریہ سماج :- دسویں گرُو یا بالفاظِ سِکھ صاحبان دسویں پادشاہی کی ہندُوؤں سے علیحدگی کے اقدام سے ہندُو قوم کی مردُم شماری میں یک لخت معتدبہ کمی واقع ہوگئی اور آئندہ کے لئے بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ دامنگیر ہو گیا۔

لہٰذا ہندُو قوم کو اِسلام سے محرُوم رکھنے اور سِکھ دھرم کی دست بُرد سے بچانے کے لئے اُنیسویں صدی عیسوی میں ایک صاحب بنام سوامی دیانند سرسوتی آگے آئے۔ انہوں نے اِسلام کا وہی چلتا سبق یعنی توحید۔ مساوات اور اخوّت اس انداز میں اپنی قوم کے پیش کیا، کہ نہ تو مذہب تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ اور نہ نام بدلنے کی۔ نہ لباس اور طرزِ بُود و باش کو کسی خاص وضع کا کرنے کی ہدایت تھی۔ اَلبتّہ خالصہ دھرم کے برعکس جسم کے ہر حصّہ سے بال مُنڈانے کو ترجیح دی گئی تھی۔ سوامی دیانند نے اپنے پَیروؤں کو آریہ سماج یعنی معزّز لوگ کا لقب دیا۔ اور اُس عہد کے مُروّجہ تمام مذاہب کے خلاف اِعتراضات پر مشتمل ایک کتاب موسُوم بہ "ستیارتھ پرکاش" لکھی۔ جس میں خصُوصیت کے ساتھ مذہبِ اِسلام پر اندھا دُھند اعتراضات کئے گئے تھے۔

---

[1] سیّد احمدؒ بریلوی۔ رسیّد عبدالقادر ایم۔ اے کے جدِّ اَمجد تھے۔

عیسائی مشنری :۔ اُنیسویں صدی تک عیسائی مشنری بھی دُوسرے مذاہب یعنی سِکھ دھرم ۔ ہِندومت ۔ دیوسماج ۔ برہموسماج ۔ آریہ سماج اور دینِ اسلام کے مقابلہ پر مسیحیت کی تبلیغ واشاعت کرنے کے لئے میدان میں اُتر چکے تھے ۔ اور ان کی نگاہوں میں بھی کھٹکتا خار مسلمان ہی تھے ۔ مسیحیت کے علم بردار یورپین ممالک سے بالکل اسی طرح وارد ہوئے جس طرح کئی سَو سال پہلے عرب یہاں آئے تھے ۔ چنانچہ عربوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سمندر کے راستے سے آئے ۔ جنوبی ہند میں سواحلِ مالابار پر پہلا مقام کیا ۔ تجارت کو غرضِ غایت بنایا ۔ حکومتیں قائم کرنے کی داغ بیل رکھی ۔ اور اپنے دین کی تبلیغ کی ۔ رفتہ رفتہ جب اِن کے پاؤں یہاں جم گئے تو اچھی ملازمتوں کا لالچ دے کر ۔ اعلیٰ تعلیم ، اور مُفت علاج کی مراعات دے کر انہوں نے یہاں کے باشندوں کو عیسائیت کی جانب مائل کرنا شروع کیا ۔ انگریزوں کی عملداری ہو جانے کے باعث عیسائیت قبول کر لینے والوں کے حق میں پادری صاحبان کی جائز اور ناجائز سفارشیں بہت مؤثر اور زُود اَثر ہونے لگیں ۔

مُباحثے اَور مُناظرے :۔ اُنیسویں صدی کے اخیر ، اور بیسویں صدی کے آغاز کو مختلف مذاہب کے مابین مباحثوں اور مناظروں کا معرکہ خیز دَور کہا جا سکتا ہے ۔ جس کے اکھاڑوں میں عُلمائے اسلام کو چومکھی لڑنا پڑی ۔ کیونکہ کیا آریہ سماجی ، اور کیا عیسائی ، کیا برہموسماجی اور کیا دیوسماجی اور سناتن دھرمی سب کا وار براہِ راست مُسلمانوں پر تھا ۔ سِکھ اگرچہ مذہبی مناظروں میں حصّہ نہیں لے رہے تھے مگر مسلمانوں کے خلاف اِن کی شہ ہر دُشمنِ دین کو میسّر تھی ۔

سنگھٹن :۔ ہِندوؤں نے متحدہ طور پر ایک محاذ کھول دیا ۔ جس کو وُہ اپنی

زبان میں سنگھٹن کہتے تھے۔ اور جس کے اغراض و مقاصد مسلمانوں کو مذہبی طور پر نیست و نابود کرنا، اور سیاسی طور پر بے دست و پا کر دینا تھے۔

شُدّھی:۔ مسلمانوں کو زک پہ زک پہنچانے کے لیئے ہندوؤں کی طرف سے ایک وہ چیز بھی آزمائی گئی جس کا وجود ہندو دھرم میں روزِ اوّل سے مفقود تھا۔ یعنی غیر ہندوؤں کو ہندو بنانا۔ ہندوؤں کی اِس تحریکِ شُدّھی کا ہدفِ خاص بھی مسلمان ہی تھے۔

اِس اُفتاد کے بعد اُفتاد اور اُفتاد در اُفتاد سے بچا کر مسلمانوں کو لے نکلنا علمائے کرام کا ہی کام تھا۔ جن کی کیفیت بعینہٖ اُس گڈریے کی مانند تھی جس کے ریوڑ پر رات کو کئی اطراف سے کئی ایک بھیڑیے حملہ کر دیں اور وہ رات بھر اُن کو مارتا اور بھگاتا رہے۔ اور اپنے ریوڑ کو گزند نہ پہنچنے دے۔

مغربی تہذیب:۔ مسلمان مذہبی رہنماؤں کو دیگر مذاہب کے علم برداروں سے معرکہ آرائی کے علاوہ ایک اور اس سے بھی بڑی مُہم پیش آگئی اور وہ تھی اورپائی تہذیب جو دائیں سے اور بائیں سے، آگے سے اور پیچھے سے، نیچے سے اور اُوپر سے اُمڈی چلی آرہی تھی۔ اِس تہذیب نے ہمارے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا۔ شراب جوا۔ سُود۔ زنا۔ عُریانی و بے حیائی۔ پانچوں عیب شرعی بڑے خوبصورت انداز میں بڑے حسین و جمیل ناموں کے ساتھ فیشن میں داخل کر دئے۔ ان کو شرافت اور عزت کی علامت قرار دیا گیا۔ اور قانونی تحفّظ سے نوازا گیا۔

نیشنلزم:۔ مصیبت تنہا نہیں آتی۔ مغربی تہذیب کے ساتھ کشمکش ابھی جاری تھی (جو تادمِ تحریر جاری ہے ۱۹۶۷ء) کہ ۱۹۱۸ء میں آسمان سے ایک بلا اور نازل ہوئی

قومیت اور وطنیت کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

"پہلے ہندی اور بعد میں مسلمان"۔ جن مسلمانوں نے ایسے نعروں کو قبول نہ کیا۔ اُن کے حق میں فیصلہ یہ تھا۔ کہ "نکل جاؤ ہندوستان سے" "اور چلے جاؤ عربستان میں" "اسلام بدیشی مذہب ہے"۔ "مسلمان بدیشی قوم ہے"۔ یہ آوازیں تھیں آل انڈیا کانگریس کی۔ کانگریس چاہتی تھی، کہ اسلام اور اسلام کے پرستاروں کو کچا کھا جائے۔ کانگریس کی رُوح و رواں مہاتما گاندھی تھے۔ اُن کی خواہش تھی، کہ کچا نہ کھایا جائے۔ پکا کر کھایا جائے۔ چنانچہ ان کو گلانے۔ پکانے اور مصالحے لگانے کا عمل جاری ہو چکا تھا۔ مگر "جس کو خدا رکھے، اُسے کون چکھے"۔ کے مصداق مسٹر گاندھی کی کھیر دلیا ہو گئی۔ جہد للبقاء میں مصروف مسلمان قائدین کی صفوں میں قائد اعظم آ ملے۔

قائد اعظم نے بھی تعلیم اُنہی اُستادوں سے پائی تھی جن سے گاندھی پڑھ کر آئے تھے۔ اور مستزاد یہ تھا، کہ سینہ نورِ اسلام سے منوّر تھا۔

قائد اعظم رحمہ نے مسٹر گاندھی کی ایک نہ چلنے دی۔ اور مسلمانوں کو بیک وقت انگریزوں کے پنجے سے، اور کانگریس کے دانتوں سے آزاد کرا لیا۔

قائد اعظم رحمہ زندہ باد ...... پاکستان پائندہ باد

یہ تھے وہ حالات جن کے ماتحت چودھویں صدی عیسوی کے بعد برِ عظیم پاک و ہند میں پہلے کی سی سرگرمی، سُرعت اور کثرت کے ساتھ اہلِ ہنود حلقہ بگوشِ اسلام نہ ہو سکے۔ اور کہ سکھ یا آریہ سماجی یا عیسائی یا دہریہ خیال ہو جاتے رہے۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ اشاعتِ اسلام کا کام مطلقاً ٹھپ ہو کے رہ گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس دور میں بھی

صُوفیاءِ کرام اور عُلماءِ اِسلام نے جہاں مسلمانوں کو فِتنۂ اِرتداد سے محفُوظ و مامُون رکھنے کی کامیاب مساعی کیں۔ وہاں بھوڑی بہت تعداد میں غیر مُسلموں کو مُشرّف بہ اِسلام بھی کرتے رہے۔ کیونکہ اِختلافِ مذہب اور اپنے معاشرہ کی جانب سے کھڑی کی ہُوئی کئی نوع کی مشکلات کے باوجُود بے شمار ہندُو مسلمان بزرگوں سے عقیدت مندی کا دَم بھرتے تھے۔ ان کے اخلاقِ حمیدہ سے مُتاثّر، اور اَوصافِ ستُودہ کے قائل ہوتے تھے۔ دِینی اور دُنیوی اُمُور میں ان سے مشورہ لینے اور اُس پر عمل پیرا ہونے میں اپنی سعادت مندی سمجھتے تھے اور طالبِ دُعا ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے، کہ بعض آروڑے اور کھتری ایسے بھی ملتے ہیں، جو بالکل تازہ وارد مسلمان ہیں۔

باب ثانی

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

(القرآن) ―――――― (۱۷/۸۱)

حق آیا اور باطل نکل بھاگا۔ بیشک باطل نکل بھاگنے والا ہے

اور پاکستان لے لیا

قائدِ اعظم کی باطل شکن تقاریر
کے
اقتباسات

◉

تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہُوا کرے۔ تم ترقی یافتہ، اور تمہاری اِقتصادیات مستحکم ہی سہی، اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گِنتی ہی آخری فیصلہ ہے۔ لیکن مَیں تمہیں بتائے دیتا ہُوں، تم دونوں[1] کو۔ کہ تم تنہا، یا تم دونوں مُتحّد ہو کر بھی ہماری رُوح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ تم اُس تہذیب کو کبھی نہ مٹا سکو گے، اُس اِسلامی تہذیب کو، جو ہمیں وِرثے میں مِلی ہے۔ ہمارا نُورِ ایمان زندہ ہے۔ ہمیشہ زندہ رہا ہے، اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بے شک تم ہمیں مغلوب کر دو۔ ہم پر ظُلم وسِتم کرو، ہمارے ساتھ بد ترین سلوک روا رکھو۔ لیکن ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔ اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کر لیا ہے، کہ اگر مَرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مَر جائیں گے۔

(مرکزی اسمبلی ۲۲- مارچ ۱۹۳۹ء)

◉

دَولتِ برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے، اور گاندھی جی مُسلم ہندوستان پر حکُومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں، کہ ہم دونوں کو اپنے پر حکُومت نہ کرنے دیں گے۔ خواہ دونوں مُتحّد ہو کر، یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔ ساری دُنیا مان چکی ہے، اور حکومتِ برطانیہ بھی فہم و فراست سے کام لیتے ہُوئے یہ تسلیم کر چکی ہے، کہ مُسلم لیگ ہی مُسلم ہندوستان کی جائز اور نمائندہ جماعت ہے۔ لیکن تاحال سیوگاؤں میں روشنی طلوُع نہیں ہُوئی۔ اور ابھی تک گاندھی صاحب اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

(عربک کالج دہلی ۱۹۳۹ء)

[1] انگریز اور ہندو

⦿

دو سال ہوئے، مَیں نے شملہ میں کہا تھا، کہ ہندوستان کے لیئے پارلیمانی جمہوری نظامِ حکومت غیر موزوں ہے۔ اس پر کانگریسی اخبارات نے میرے خلاف طعن و تشنیع سے کام لیا اور مجھے بتایا، "کہ تم اِسلام کو نقصان پہنچانے کے مجرم ہو۔ کیونکہ وُہ جمہوریت کی تلقین کرتا ہے"۔ مگر جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے۔ وُہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا، جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظامِ حکومت قبوُل نہیں کر سکتے۔ جس کی رُو سے ایک غیر مُسلم اکثریت محض تعداد کی بنا پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے۔ اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے۔

(مُسلم یُونیورسٹی علی گڑھ ۶۔ مارچ ۱۹۴۰ء)

⦿

اِسلام اور ہِندُو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں۔ بلکہ درحقیقت وُہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اِس خواہش کو خواب وخیال ہی کہنا چاہیئے کہ ہِندُو اَور مسلمان مل کر ایک مُشترکہ قومیت تخلیق کرسکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ مَیں واشگاف لفظوں میں کہتا ہوُں، کہ وُہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں۔ اَور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصوّرات اور حقائق پر رکھی گئی ہے۔ جو ایک دُوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ اِنسانی زندگی کے مُتعلّق ہِندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اَور تصوّرات ایک دُوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندُو اور مسلمان

اپنی اپنی ترقّی کی تمنّاؤں کے لئے مختلف تاریخوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ ان کی رزمیہ نظمیں، ان کے سربرآوردہ بزرگ، اور قابلِ فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دُوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ ایک قوم کی فتح دُوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست، اور ایک حکومت کی ایک مُشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے، اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ دونوں کے دِلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی، جو انجام کار تباہی لائے گی۔ خاص کر اس صُورت میں، کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہو، اور دُوسری کو اکثریت حاصل ہو۔ ایسی ریاست کے آئین کا عمل خاک میں مِل کر رہے گا۔

(اجلاس مسلم لیگ، لاہور۔ ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء)

◉

مَیں کئی بار کہہ چُکا ہُوں، اور پھر کہتا ہُوں، کہ جناب گاندھی دیانتداری سے تسلیم کر لیں، کہ کانگریس ہندُو جماعت ہے۔ اور وُہ صِرف ہندوؤں کے نمائندہ ہیں۔ جناب گاندھی کیوں یہ بات فخریہ نہیں کہتے، کہ :-

"میں ہندُو ہُوں اور کانگریس کو ہندُوؤں کی حمایت حاصل ہے"۔

مجھے تو یہ کہنے میں کہ مَیں مُسلمان ہُوں، شرم محسوس نہیں ہوتی۔

(اجلاس مسلم لیگ لاہور)

۲۲۔ مارچ ۱۹۴۰ء

◉

گاندھی جی کہتے ہیں۔ "ہندوستان کو جیتے جی ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔"

راج گوپال اچاریہ کہتے ہیں۔ "بچے کے دو ٹکڑے کئے جا رہے ہیں۔"

قدرت نے پہلے ہی سے ہندوستان کو تقسیم کر رکھا ہے۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں۔ ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان، اور ہندو ہندوستان پہلے ہی سے موجود ہیں۔ نہ معلوم اس کے متعلق اتنا واویلا کیوں کیا جاتا ہے۔ وہ ملک ہے کہاں جس کے ٹکڑے ٹکڑے کیئے جائیں گے؟ اور وہ قوم ہے کہاں جس کی قومیت فنا کی جانے کو ہے؟

وہ طاقت جس کے قبضۂ قدرت میں آج ہندوستان ہے۔ وہ انگریزوں کی طاقت ہے۔ اور یہ جو ایک خیال دماغوں میں بیٹھ گیا ہے، کہ ہندوستان ایک متحدہ ملک ہے۔ اور اس کی ایک حکومت ہے۔ وہ صرف اس وجہ سے ہے، کہ انگریز اس سارے ملک پر حکمران ہیں۔

(مسلم لیگ کانفرنس بمبئی ۲۶- مئی سنہ ۱۹۴۰ء)

◉

ہم نے قطعی طور پر، اور ہمیشہ کے لئے پاکستان کو اپنی منزلِ مقصود بنالیا ہے، اور ہم اس کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دیجئے گا۔ وہ جمہوریت جو مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کے ذہن میں ہے، ہلاک ہو چکی ہے۔ ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں۔ کم ہیں۔ مگر یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان۔ اگر چاہیں اور ارادہ کرلیں تو آپ کو کانگریس سے سو گنا زیادہ تکلیف

دے سکتے ہیں۔ آپ اِس حقیقت سے بے خبر ہوں، تو ہوں۔ مگر مَیں بخُوبی آگاہ ہوں۔ مَیں نے یہ بات دھمکی کے لئے نہیں محض آپ کی آگاہی کے لیئے کہی۔

(مرکزی اسمبلی ۱۹۔ نومبر ۱۹۴۰ء)

◉

کانگریسی رہنما کہتے ہیں، کہ ہم مسٹر جناح، یا مُسلم لیگ کے کسی نامزد کو ہندوستان کا وزیرِ اعظم بنانے پر تیار ہیں۔ وُہ یہ بھی کہتے ہیں، کہ ہم اختیارات نہیں چاہتے مسلمان سارے اختیارات لے سکتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم انگریزی راج کی نسبت مُسلم راج کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا کوئی شخص جس میں شمہ برابر بھی عقل ہو، اس پر یقین کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مُسلمان اَب باشعور ہو گئے ہیں۔ ان میں آج سے تین سال پہلے کی نسبت فرق ہو گیا ہے۔ کامل فرق۔ اساسی و بُنیادی فرق۔ اَور مجھے یقین ہے، کہ پانچ برس بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا۔

(عربک کالج دہلی۔ نومبر ۱۹۴۰ء)

◉

اُن مسلمان بھائیوں کے متعلق ہمیں کوئی تشویش نہ ہونی چاہیئے جو اقلیت کے صُوبوں میں رہتے ہیں۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے، کہ اگر ساڑھے چھ کروڑ مسلمانوں کو جو اکثریت کے منطقوں میں ہیں، ایک کُل ہند متحدہ حکومت کے تابع کر دیا جائے۔ تو باقی ماندہ ڈھائی کروڑ مسلمانوں کو جو دِیگر صوبوں میں ہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ میں جس صُوبے میں اقلیت میں ہوں۔ وہاں اپنی قسمت پر شاکر ہو کر اپنا فرض ادا کر دُوں گا۔ لیکن میں ان مسلمانوں کو جو اکثریتی صُوبوں میں ہیں دوامی اقلیت اور ہندوؤں کے اِقتدار سے آزاد کراؤں گا۔

(نوجوانانِ بمبئی کا اِجتماع۔ ۳۔ جنوری ۱۹۴۱ء)

◉

ہندو قیادت اب تک وہی پرانی راگنی الاپے جا رہی ہے، کہ ہم ایک اقلیت ہیں۔ اور یہ کہ وہ ہمیں جمعیتِ اقوام کے قرار دادہ اصولوں کے مطابق تمام تحفظات دینے کے لئے تیار ہیں۔ میں اپنے دوستوں، ہندو لیڈروں کو یہ بتانا چاہتا ہوں، کہ جمعیت اقوام تو مر چکی ہے۔ کیا تم کو اب تک یہ بات معلوم نہیں ہوئی؟ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، کہ تم کم از کم چوتھائی صدی پیچھے رہ گئے ہو۔ یہی نہیں، بلکہ تمہیں تو یہ احساس بھی نہیں ہے، کہ پوری دنیا کا چہرہ ایک ایک ہفتہ کے بعد، ایک ایک ماہ کے بعد تبدیل ہو رہا ہے۔ یورپ میں اور جنگ کے دوسرے میدانوں میں کیا یہ قدامت پرست فرقہ، یہ چھوت چھات پر یقین رکھنے والا فرقہ۔ اپنے ارادے نہیں بدل سکتا؟ اپنے خیالات کو جدید نہیں بنا سکتا؟ بہرحال ہمیں ان سے کیا؟ یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے۔ اور دن کے اجالے کی طرح عیاں۔ کہ ہم اقلیت نہیں ہیں، ہم ایک قوم ہیں۔ اور ایک قوم کو رہنے کے لئے ایک علاقہ چاہئے۔ محض یہ کہنے کا آخر فائدہ ہی کیا ہے، کہ ہم ایک قوم ہیں؟ قوم ہوا میں نہیں رہ سکتی۔ وہ زمین پر رہتی ہے اور اس زمین پر اس کی حکمرانی ہونی چاہئے۔ قوم کو مخصوص علاقے میں آزاد مملکت چاہئے، اور آپ یہی تو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ۲۔ مارچ ۱۹۴۱ء)

◉

چین اور امریکہ کی متحدہ طاقت بھی کوئی ایسا دستور ہم پر نافذ نہیں کر سکتی جس میں مسلمانوں کو قربان کیا گیا ہو۔ اگر متحدہ اقوام کسی ایسی مجنونانہ غلطی کا ارتکاب

کر بیٹھیں، تو یاد رکھو، کہ ایک حقیر کیڑا بھی پلٹ پڑتا ہے۔ ان غیر ملکی سنگینوں کی پروا نہ کرتے ہوئے جن کے سائے میں کانگریس راج رچایا جا رہا ہوگا، ہم ملک کے سارے نظام میں زلزلے ڈال دیں گے، اور اس کو مفلوج و معطل بنا کر رکھ دیں گے۔ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۔ نومبر ۱۹۴۱ء)

◉

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہندوؤں نے ملک کے کسی قابلِ ذکر حصے پر حکومت نہیں کی ہے۔ ہماری تجویز کی رو سے تین چوتھائی ہندوستان ان کو دیا جا رہا ہے، جہاں وہ اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے اپیل کی کہ وہ حریص نہ بنیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ہیر پھیر سے سارے ملک کو ہتھیا لینا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں، یہ تین چوتھائی لے لو۔ اور میری ایک چوتھائی پر حسد نہ کرو۔ مجھے اپنی اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنی روایات، اپنی ثقافت اور اپنی زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے دو۔ اور تم بھی اپنے صوبوں میں یہی کرو۔ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ ۲۔ نومبر ۱۹۴۱ء)

◉

وہ کونسا رشتہ ہے، جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے، جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے، جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے، کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا،

ایک رسول ؐ - ایک کتاب - ایک اُمّت - (اجلاس مسلم لیگ کراچی ۱۹۴۳ء)

⊙

پاکستان اُسی دِن وجُود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مُسلمان ہوُا تھا - یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی - مسلمانوں کی قومیت کی بُنیاد کلمۂ توحید ہے - وطن نہیں اور نہ ہی نسل - ہندوستان کا جب پہلا فرد مُسلمان ہُوا، تو وُہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا - وُہ ایک جُداگانہ قوم کا فرد ہو گیا - ہندوستان میں ایک نئی قوم وجُود میں آگئی -

(مُسلِم یُونیورسٹی علی گڑھ - ۸ - مارچ ۱۹۴۴ء)

⊙

ہمارا کوئی دوست نہیں ہے - ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے، نہ ہندو بنیئے پر - ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے خواہ وُہ آپس میں مُتّحد کیوں نہ ہو جائیں -

(اِجلاسِ عام پشاور - ۲ - نومبر ۱۹۴۵ء)

⊙

مُسلمانوں نے ایک اَیسا آدمی ڈھُونڈ لیا ہے، جو اُن کی کمزوریوں اور خُوبیوں دونوں سے واقف ہے - لہٰذا اُس کا ہاتھ بٹاؤ - اَور اُس کی مدد کرو - مَیں بھی اِنسان ہُوں مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے - لہٰذا ہر شخص کو اختیار ہے، کہ میرے کام کے بارے میں مشورے دے، اور اس پر تنقید کرے - یقین کیجئے کہ ہر خط اَور ہر تار جو مجھے بھیجا جاتا ہے، مَیں خُود پڑھتا ہُوں - ایک ایک سطر پڑھتا ہُوں - اور میرا زیادہ تر وقت اسی میں گزرتا ہے لہٰذا ہر مُسلمان زبانی باتوں کی بجائے جو کچھ سوچے - محسُوس کرے، مجھے لکھے - مَیں

غور کروں گا۔ اور مناسب ہو، تو اُس کا مشورہ قبول کروں گا۔ میں مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں، کہ اگر خدا نے میری مدد کی، تو انشاءاللہ میں اُن کو اُن کی منزل سے قریب لے جاؤں گا۔ (جلسۂ عام دہلی ۶- نومبر ۱۹۴۶ء)

◉

میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا، جو دیدہ و دانستہ اور شرارت سے پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں، کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابلِ اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں، کہ نہ صرف مسلمانوں کو، بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف ڈر نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے۔ ہر شخص سے انصاف، رواداری، اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ پھر کسی کو ایسی جمہوریت، مساوات اور آزادی سے خوف کیوں لاحق ہو، جو انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ کے بلند ترین معیار پر قائم کی گئی ہو۔

ان کو کہہ لینے دیجئے۔ ہم دستورِ پاکستان بنائیں گے۔ اور دنیا کو دکھائیں گے، کہ یہ رہا ایک اعلیٰ آئینی نمونہ!

(بار ایسوسی ایشن کراچی ۲۵- جنوری ۱۹۴۸ء)

قطعہ

بنی آدم، اعضائے یک دیگر اند،
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند،
چوں عضوے بہ درد آورد روزگار،
دگر عضوہا را نماند قرار،

(سعدیؒ)

قائدِ اعظم کا پیغام

میرا یہ پیغام جس شخص تک پہنچے، وہ اپنے دِل میں عہد کرے، کہ ضرورت پڑنے پر وہ پاکستان کو اِسلام کی پُشت پناہ اور دُنیا کی عظیم ترین قوم بنانے میں اپنا سب کچھ قربان کر دے گا۔ مُسلمان کے لئے اِس سے بہتر ذریعۂ نجات نہیں ہو سکتا، کہ وہ حق کی خاطر شہید ہو جائے۔